Religious Pluralism during the Reign of Jalāl al-Dīn Akbar: An Analysis

Monazza Hayat[۞]

ABSTRACT

A pluralistic society is the one in which people of different races, religions, and political beliefs live together peacefully. The Indian subcontinent has been a multicultural and multireligious society since long. It is well known that during the Muslim rule in the subcontinent, majority of the population belonged to religions other than Islam. This was a challenging situation for the Muslim rulers of the subcontinent. Against this backdrop, the reign of Mughal emperor Jalāl al-Dīn Akbar (1556-1605 AD) offers a unique example in which a Muslim ruler tried to create a homogenous society on the basis a syncretic religious idea. In this context, this study discusses

۞ Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Bahauddin Zakariya University, Multan. (muazzahayat@bzu.edu.pk)

the social and religious significance of the rule of Akbar in creating a pluralistic society in the subcontinent.

جلال الدین اکبر کے عہد حکومت میں مذہبی تکثیریت : ایک تجزیاتی مطالعہ ۞

منزہ حیات ۞

یہ ایک حقیقت ہے کہ انسانوں کے درمیان گوناگوں اختلافات پائے جاتے ہیں۔ رنگ، نسل، زبان، علاقہ، تہذیب و تمدن، معاشرت، عقیدہ، مذہب، کسی معاملے میں وہ یکساں نہیں ہیں۔ ان اختلافات کو نظر انداز کرنے اور ان کے باوجود مل جل کر رہنے اور پُر امن طریقے سے زندگی گزارنے کو موجودہ دور کی ایک اہم قدر قرار دیا جارہا ہے۔ اس کے لیے انگریزی زبان میں Pluralism کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ اردو میں اس کا ترجمہ 'تکثیریت' کیا جاتا ہے۔ کیمبرج ڈکشنری میں Pluralism کی جو تعریف لکھی ہے اس کے مطابق:

> The existence of different types of people, who have different beliefs and opinions within the same society.[1]
>
> (مختلف طرح کے لوگ جو مختلف عقائد و نظریات کے حامل ہوں، مشترکہ معاشرے میں رہتے ہوں۔)

ویبسٹر ڈکشنری میں Pluralism کا درج ذیل مفہوم بیان کیا گیا ہے:

> A state of society in which members of diverse ethnic, racial, religious, or social groups maintain and develop their traditional culture or special interest within the confines of a common civilization.[2]

((تکثیریت سے مراد) کسی سماج میں ایسے متعدد سماجی گروہوں کی موجودگی ہے جو مختلف نسلوں سے تعلق رکھتے ہوں یا مختلف مذہبی عقائد کے حامل ہوں، اور جو اپنی روایتی رسوم و رواج کے ساتھ ساتھ ایک مشترکہ تہذیب تشکیل دیتے ہوں۔)

یہ دنیا مختلف و متنوع افکار، نظریات، ادیان اور رنگا رنگ تہذیب و ثقافت کی حسین آماج گاہ ہے۔ جو

۞ یہ مقالہ ادارہ تحقیقات اسلامی کے زیر اہتمام انٹرنیشنل پوسٹ ڈاکٹورل فیلوشپ کی جزوی تکمیل کے لیے تحریر کیا گیا ہے۔

۞ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاءالدین زکریا یونی ورسٹی، ملتان۔ (muazzahayat@bzu.edu.pk)

1– *The Cambridge Academic Content Dictionary*, www. dictionary.cambridge.org, accessed October 24th, 2019, Definition of pluralism.

2– www.merriam-webster.com,accessed, October 24th, 2019.

سماج تنوع اور تکثیریت کا علم بردار ہو وہیں اس سماج میں تحمل برداشت انسانی و سماجی اقدار کی حفاظت باہم ادیان کا احترام کا جذبہ بھی پایا جانا ضروری ہے۔ جب سماج کے افراد اعلی انسانی قدروں کے امین و محافظ ہوں گے تو پھر معاشرے میں خوش حالی آئے گی، سماج باہم مضبوط ہو گا، غربت افلاس کا قلع قمع ہو گا نیز مواسات و مواخات اور عدل وانصاف کی فضا ہم وار ہو گی۔ اگر دنیا کے منظر نامے پر نظر ڈالیں تو اس بات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ جتنی تیز رفتاری کے ساتھ نوع انسانیت جدید آلات و ٹیکنالوجی سے آشنا ہوئی ہے وہیں ایک دوسرے سے الفت و محبت کی بجائے نفرت، ظلم و زیادتی، نا انصافی، تشدد، سفاکی اور عدم رواداری کو فروغ دے کر انسانی سماج کو بہت تیزی سے توڑنے کا عمل کیا جارہا ہے- جس کی بنیاد پر انسانی سماج کو الگ الگ گروہوں، طبقوں اور خانوں میں تقسیم کر دیا گیا؛ چوں کہ انسان ایک معاشرے میں زندگی بسر کرتا ہے اور معاشرہ مختلف رنگ، نسل، مذہب، تہذیب و ثقافت اور روایات کے حامل لوگوں کا مجموعہ ہوتا ہے اور یہ تنوع ہر طبقے کو شناخت عطا کرتا ہے۔ اس تنوع کو رحمت سمجھ کے اس رنگا رنگی کو قبول کرنا تکثیریت ہے۔ اے جے بیکر کہتا ہے:

> When social atomism and monism are brought together they can be seen to give strong support to an intermediate realistic position of social pluralism.[3]

(جب معاشرتی ایٹمزم (نظریۂ جوہری) اور واحدیت کو ایک ساتھ لایا جاتا ہے تو وہ معاشرتی تکثیریت کے حقیقی مقام کو مضبوط کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔)

جس معاشرے میں دو یا اس سے زائد تہذیبی اکائیاں ہوں اسے تکثیری سماج کہا جاتا ہے جس میں مختلف نسلی، مذہبی، لسانی اور ثقافتی اکائیاں شامل ہیں۔ تکثیریت ایک تصور ہے جو تنوع کو قبول کرنے اور محبت سے رہنے کی تعلیم دیتا ہے۔ یعنی تکثیریت سے مراد کسی سماج میں ایسے متعدد گروہوں کی موجودگی جو مختلف نسلوں سے تعلق رکھتے ہوں یا مختلف سماجوں یا مذہبی عقائد کے حامل ہوں جو اپنی روایتی رسوم و رواج کے ساتھ ساتھ ایک مشترکہ تہذیب تشکیل دیتے ہوں۔

اسلام نے بھی انسانی معاشرتی نظام میں موجود تنوع کو تسلیم کیا ہے اور اسے ایک مثبت پہلو کے طور پر پیش کیا ہے۔ قران مجید وسیع تر انسانی برادری کا تصور پیش کرتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَٰكُمْ شُعُوبًا وَقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓا۟ ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ﴾[4] (یقیناً ہم

3– A. J. Baker, *Social Pluralism: A Realistic Analysis* (Glebe, NSW: Fast Books, 1997), 16.

۴– القرآن، ۴۹:۱۳

نے تمھیں مرد اور عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمھیں خاندان اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں زیادہ مکرم وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔) اسی طرح سورۃ التغابن میں فرمایا گیا: ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ﴾[۵] (وہی ذات ہے جس نے تمھیں پیدا کیا ہے، پھر تم میں سے کوئی کافر ہے اور تم میں سے کوئی مومن ہے اور اللہ اس کو خوب دیکھنے والا ہے جو تم عمل کرتے ہو) ان اختلافات کو نظر انداز کرنے اور ان کے باوجود مل جل کر رہنے اور پُر امن طریقے سے زندگی گزارنے کو موجودہ دور کی ایک اہم قدر شمار کیا جاتا ہے۔

اسلامی تعلیمات نے انسانوں کو ایک لڑی میں پرونے، سماج کو طاقت ور بنانے کے لیے کس قدر انسانیت کو ابھارا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انسانی سماج کو جوڑنے کے لیے جو کوششیں کی ہیں ان کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے قبل از بعثت سب سے پہلے انسانی حقوق کے تحفظ اور سماج کو اکٹھا رہنے کے لیے اور سماج میں امن وامان برقرار رکھنے کے لیے حلف الفضول جیسا معاہدے میں شرکت کی۔[۶] یہ دستاویز اس وقت وجود میں آئی جب مکہ کے کچھ افراد انسانوں کو فریب دینے کی کوشش کر رہے تھے، انسانی حقوق کو بڑی تیزی سے غصب کرنے کا سلسلہ جاری وساری تھا۔ اسی طرح تاریخ کے صفحات میں یہ واقعہ بھی درج ہے کہ حجر اسود کی تنصیب کے موقع پر قبائل قریش میں جو نزاع ہونے کا قوی امکان تھا[۷] آپ ﷺ نے اسے اپنی بصیرت اور فہم وشعور سے رفع کر دیا اور ایک بار پھر سماج کو ٹوٹنے سے بچالیا، یہ واقعہ بھی بعثت سے قبل کا ہے۔

رسول اللہ ﷺ یثرب تشریف لائے تو وہاں کئی مذاہب کے حامل گروہ اور مختلف شناخت رکھنے والے قبائل آباد تھے اور ان میں تقریباً ۱۲۰ سال سے لڑائی کا سلسلہ جاری تھا، وہاں کوئی مرکزیت، تنظیم یا حکومت بالکل نہیں پائی جاتی تھی۔ ایسے میں حضور ﷺ نے اس کثیر المذہبی اور کثیر القبائلی آبادی کو ان کی شناختوں (Identities) کے ساتھ ایک تمدن میں پرو دیا، جس کے نتیجے میں یثرب نے مدینہ (Civil Society) کی شکل

۵- القرآن، ۲:۶۴

۶- کتب سیرت کے مطابق اس معاہدے کے وقوع پذیر ہونے کا سبب یہ ہوا کہ ایک مرتبہ مکہ میں ایک شخص تجارت کی غرض سے آیا۔ چناں چہ مکہ کے کچھ شرارتی لوگوں نے اس کا مال واسباب غصب کر لیا لیکن اس کی قیمت ادا نہیں کی اس ناانصافی کی اطلاع آپ ﷺ کو ہوئی تو محمد ﷺ نے مظلوم شخص کی حمایت کی، اس طرح یہ حلف الفضول کا معاہدہ مرتب ہوا۔ (ابن سعد، **طبقات**، مترجم، عبداللہ العمادی (کراچی: نفیس اکیڈمی، س۔ن)، ۱۹۹۔)

۷- نفس مصدر، ۲۲۵۔

اختیار کر لی جس کو وہاں کی عوام (یہودی، عیسائی، مشرک اور مسلمان) نے قبول کر لیا اور بالاتفاق آپ ﷺ کی سربراہی کو تسلیم کر لیا۔ حضور ﷺ کی سیادت قبول کر کے سردار اور عوام کے حقوق و فرائض دونوں تفصیل کے ساتھ ایک دستاویز میں لکھے گئے۔ یہی وہ دستاویز ہے جسے مملکت مدینہ کا دستور (میثاق مدینہ) کہا جاتا ہے۔ اس میں اندرونی انتظامات کے متعلق کافی تفصیل سے احکام دیے گئے ہیں۔ مذہبی آزادی، دفاع کے انتظامات اور جنگ و صلح کے قوانین کا بھی اس میں ذکر ہے۔[۸]

یہ ایک بڑی حقیقت ہے کہ اسلام حجاز سے نکل کر اطراف عالم میں پھیلا اور اس نے ایشیا، افریقہ اور یورپ کے بہت سے علاقوں پر اپنا اثر قائم کیا۔ مسلمان جس علاقے میں بھی فاتحانہ انداز میں داخل ہوئے، انھوں نے اپنا نظامِ مملکت قائم کیا۔ چناں چہ وہ برصغیر[۹] کے خطے میں آئے تو یہاں بھی ان کا اقتدار تسلیم کیا گیا۔ برصغیر کا مسلم تمدن صرف تاریخ اسلام میں ہی نہیں بلکہ تاریخ عالم میں ایک یکتا اور منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ اس خطے میں وہ کم و بیش ایک ہزار سال تک کسی نہ کسی علاقے میں برسرِ اقتدار رہے جب کہ یہاں کی اکثریت غیر مسلم تھی یوں مسلم و غیر مسلم کا باہمی تعلق ناگزیر قرار پایا۔ یہ تعلقات کس طرح کے رہے، ان کی سطح کیا تھی، ان کا دائرہ کار کن شعبوں پر محیط تھا، ان تعلقات میں کیا مد و جزر آئے، ان کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جانچنا ضروری ہے تاکہ کھرے اور کھوٹے پہلوؤں کا امتیاز قائم ہو سکے۔ حکومت کی سطح پر ان تعلقات کی نوعیت کیا رہی، اور عوامی سطح پر یہ تعلقات کس نہج پر تھے، پھر اس خطے میں تصوف کا مکتب فعال و موثر رہا ہے اس کا نقطۂ نظر ان تعلقات کی بابت کیا رہا یہ وہ سوالات ہیں جو محققین کے پیش نظر رہے۔

تکثیری معاشروں میں بود و باش مسلم معاشرے کے مزاج کے لیے کبھی اجنبی نہیں رہی ہے۔ مسلمانوں نے نہ صرف مختلف تہذیبوں کے تئیں رواداری کا ثبوت پیش کیا بلکہ ان کی نسلی و مذہبی اقلیتوں کے تحفظ اور بہبود کے لیے بھی مثبت اقدامات کیے۔ مسلمانوں کی برصغیر میں آمد کے ساتھ یہاں کے سماج میں ایک نئے عنصر

۸۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، منزہ حیات، محمد امجد، "تکثیری سماج میں جدید اسلامی ریاست کا کردار"، **پاکستان جرنل آف اسلامک ریسرچ سنٹر**، ملتان، سپیشل ایڈیشن (دسمبر ۲۰۱۷ء)، ۲۸۰۔

۹۔ اس وقت برصغیر میں بھارت، پاکستان، نیپال، بھوٹان، بنگلہ دیش، سری لنکا اور مالدیپ شمار ہوتے ہیں۔ یہ ممالک اس وقت South Asia Association for Regional Cooperation میں شامل ہیں جو سارک کہلاتا ہے۔ تاریخ میں یہ ممالک، بلکہ برما اور افغانستان کا گروپ بھی برصغیر میں شامل تھے لیکن بعد میں سیاسی اور جغرافیائی حالات کی وجہ سے وہ الگ الگ ممالک میں تقسیم ہو گئے ہیں۔

کا اضافہ ہوا۔ چناں چہ مسلم حکم رانوں کی پالیسی یہ تھی کہ عوام کے ساتھ رواداری برتی جائے عوام کو اپنے ساتھ اشتراک عمل کی دعوت دی جائے اور اس طرح حکومت کا کام چلانے کی کوشش کی جائے۔ تاکہ عوام یہ محسوس کریں کہ حکم ران طبقے کے لوگ کوئی بیرونی عنصر نہیں ہیں بلکہ وہ خود اور ان کی اولاد اسی ملک میں پیدا ہوئے ہیں اور یہیں پرورش پائی ہے۔ شروع میں تو یہ چیز پالیسی کی حیثیت رکھتی تھی لیکن بعد میں یہ ایک مستقل ذہنی کیفیت بن گئی۔ شمال مغرب کے یہ لوگ جوں جوں ہندوستان کے ماحول سے متاثر ہوتے گئے اور ہندوستانی تہذیب انھیں اپنے اندر جذب کرتی گئی۔ ادھر تو حکم ران طبقے میں یہ عمل کار فرما تھا ادھر عوام میں خیالات اور طرز زندگی کے امتزاج کی رونہایت تیزی کے ساتھ بڑھ رہی تھی یوں ایک تکثیری تہذیب کا آغاز ہونے لگا۔[۱۰]

جلال الدین اکبر[۱۱] ۱۵۵۶ میں جب تخت نشین ہوا تو اس کی تخت نشینی سے ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں بالکل ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ اکبر سے پہلے کسی مسلم حکم ران خاندان کا دور حکومت سو سال سے زیادہ نہ تھا۔ دس پندرہ سال تو ایک خاندان کو پاؤں جمانے میں لگتے اور ابھی انھیں حالات کو سمجھنے اور کوئی اصول جاری کرنے کا

۱۰۔ جواہر لعل نہرو، **تلاش ہند** (لاہور: تخلیقات، ٹیمپل روڈ، ۱۹۹۲ء)، ۳۳۲۔

۱۱۔ اکبر ۱۵۴۲ء میں عمر کوٹ (سندھ) میں پیدا ہوا، اس کی والدہ کا نام ملکہ حمیدہ بانو تھا۔ اکبر کے چچا عسکری مرزا نے پہلے دو سال اس کی پرورش کی پھر وہ اپنے باپ ہمایوں (۱۵۳۰ء– ۱۵۴۰ء) کے پاس آ گیا، یہاں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اکبر کو شکار اور جنگی فنون کی طرف بہت دل چسپی تھی۔ ۱۵۵۴ء میں ہمایوں نے سکندر شاہ سوری (۱۵۵۴ء– ۱۵۵۵ء) کے مقابلے کے لیے اکبر کو، جس کی عمر اس وقت بارہ سال تھی، روانہ کیا۔ اکبر نے وہاں بہادری کے جوہر دکھائے اور فتح یاب ہوا۔ ہمایوں نے اکبر کی بہادری کو سراہتے ہوئے پورا پنجاب کا علاقہ اس کے نام کر دیا۔ محمد اکبر کی رسم تاج پوشی کلانور ضلع گورداسپور میں ۱۵۵۶ء میں ہوئی۔ بیرم خان وکیل سلطنت مقرر ہوا کیوں کہ اکبر کی عمر ابھی پورے چودہ برس بھی نہیں ہوئی تھی۔ اکبر نے کل پچاس برس حکومت کی۔ اس نے ہمایوں سے وراثت میں جو سلطنت پائی تھی وہ پنجاب آگرہ اور دہلی کے ارد گرد کے اضلاع پر مشتمل تھی، لیکن اس (اکبر) نے اپنی سلطنت میں وسیع اضافہ کیا اور شمال کی طرف کابل، کشمیر اور قندھار سے لے کر جنوب میں احمد نگر تک اور مشرق میں اڑیسہ تک اپنی حکومت قائم کی۔ اکبر اگرچہ زیادہ پڑھا لکھا نہیں تھا لیکن اس نے سلطنت کا انتظام بڑے وسیع پیمانے پر کیا اس نے اپنی سلطنت کو اٹھارہ صوبوں میں تقسیم کیا اور ہر صوبے میں ایک صوبہ دار مقرر کیا۔ اس نے کاشت کاری کے متعلق شیر شاہ سوری (۱۵۴۰ء– ۱۵۴۵ء) کی اصلاحات کو اور ترقی دی۔ مختلف علاقوں و قلعوں کی فتوحات اور رعایا کی آسودگی کا انتظام کیا۔ اکبر کو عمارتیں بنوانے کا بھی بڑا شوق تھا۔ آگرہ کا قلعہ، دہلی میں ہمایوں کا مقبرہ، لاہور اور سری نگر کے کئی قلعے اس نے تعمیر کروائے۔ (محمد قاسم فرشتہ، **تاریخ فرشتہ**، مترجم، خواجہ عبدالحی (لاہور: بک ٹاک، ٹیمپل روڈ، ۱۹۹۱)، ۲: ۱۹۲۔)

موقع نہ ملتا تھا کہ سارا سلسلہ درہم برہم ہو جاتا۔یہی وجہ تھی کہ ابتدائی مسلمان خاندانوں کی حکومت میں مرکزی نظم و نسق کے علاوہ باقی اختیار ہندو پنچائتوں اور زمین داروں کے ہاتھ میں تھا۔اکبر اگرچہ زیادہ پڑھا لکھا نہیں تھا لیکن اس نے سلطنت کا انتظام بڑے وسیع پیمانے پر کیا۔ اسی بنا پر اکبری دور میں یہاں کی آبادی میں تنوع کے سبب تکثیریت کے تصور کو زیر تحقیق لانے کی اہمیت سامنے آتی ہے۔ زیر نظر مقالے میں یہ بات پیش نظر رہی کہ برصغیر کے مغل حکمران اکبر کے دور حکومت (۱۵۵۶ء–۱۶۰۵ء) میں برصغیر میں پرامن بقاے باہمی کا کیا تصور تھا؟ معاشرے میں مذہبی اختلاف کے باوصف باہمی تعاون کی حدود کیا تھیں ؟اکبری دورِ حکومت میں تکثیریت کا تصور، نوعیت اور دائرہ کار کیا رہا ہے؟

اکبر کا دین اسلام سے تعلق

سوری خاندان (۱۵۴۰ء–۱۵۵۵ء) کے حکمرانوں نے علما کو وسیع اختیارت دیے ہوئے تھے،اکبر نے اس سلسلے کو اور وسیع کر دیا اور جگہ جگہ قاضی و مفتی مقرر کیے۔ مخدوم الملک، شیخ الاسلام[۱۲] اور صدر الصدور[۱۳] کے مراتب میں اضافہ کیا۔ مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری[۱۴] اس کے مشیر اور سلطنت کے رکن تھے۔ صدرالصدور شیخ عبدالنبی[۱۵] کا بھی وہ بے حد احترام کرتا تھا۔ کبھی کبھار حدیث سننے خود ان کے ہاں چلا جاتا، ایک

۱۲– شیخ الاسلام مسلم ریاستوں میں محکمہ امور دینیہ کی تمام سرگرمیوں کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ مملکت کی سرپرستی میں صوفیہ اور فقرا کی کثیر تعداد شیخ الاسلام کے ماتحت ہوتی تھی۔اس کی سفارش پر مملکت مستحق صوفیوں اور فقرا کو وظائف دیتی تھی۔(اشتیاق حسین قریشی، **سلطنت دہلی کا نظم حکومت** (کراچی: شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، کراچی یونیورسٹی، ۱۹۷۱)، ۲۰۱۔)

۱۳– یہ ایک عالی مرتبت و محترم عہدہ تھا جو نہ صرف بڑا وقار رکھتا تھا بلکہ اس کے اختیارات بھی بہت وسیع ہوتے تھے، اور اس کا محکمہ دیوان رسالت کہلاتا تھا۔ یہ منصب، محکمہ تعلیم اور محکمہ مذہبی امور کے انتظامی و تعلیمی امور کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ دیوان رسالت کے سربراہ کی حیثیت سے صدر الصدور مذہبی خطیبوں، نماز پڑھانے والوں اور سلطنت کی مساجد کا انتظام کرنے والوں کا تقرر کرتا تھا۔ صدر الصدور کا سب سے اہم فرض یہ ہوتا تھا کہ مملکت کے وظائف کے لیے عالم و فاضل لوگوں کے ناموں کی سفارش سلطان سے کرے تاکہ وہ لوگ حصول علم کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر سکیں۔(قریشی، مرجع سابق، ۱۸۶۔)

۱۴– ہمایوں نے آپ کو مخدوم الملک اور شیخ الاسلام کا خطاب دیا تھا۔ **عصمت انبیا** اور **شمائل النبی** کتب لکھیں۔ متصلب سنی تھے۔ ۱۵۸۲ میں وفات پائی۔(عبدالقادر بدایونی، **منتخب التواریخ**، مترجم: محمود احمد فاروقی (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، س ن)، ۲: ۶۰۱۔)

۱۵– آپ شیخ احمد بن شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے بیٹے تھے۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ گئے تو وہیں سے علم حدیث حاصل کیا۔

مرتبہ ان کے جوتے اٹھا کر ان کے سامنے رکھے۔ شہزادہ سلیم کو جامی[۱۶] کی چہل حدیث پڑھنے کے لیے ان کی شاگردی میں داخل کیا۔[۱۷] اکبر کا مزاج صلح جو تھا اسے مزید تقویت اس کی خاندانی تربیت نے کی۔

صدر الصدور عبدالنبی کی تربیت کا اس قدر اثر ہوا کہ اکبر باجماعت نماز ادا کرتا اور اذان بھی خود دیتا۔ امامت کرتا اور مسجد میں اپنے ہاتھ سے جھاڑو لگاتا۔[۱۸] جب بھی حج کے لیے قافلہ روانہ ہوتا، اکبر اپنی طرف سے امیر حج مقرر کر کے ساتھ کرتا تھا۔ اس کے ہاتھ ہزاروں روپے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، مختلف روضوں اور درگاہوں کے مجاورں کو بھیجتا تھا کہ ہر جگہ تقسیم ہو جائیں۔[۱۹] محضر کے واقعہ اور اجمیر کی زیارت کے بعد ۱۵۸۰ میں نظام الدین بخشی (م ۱۵۸۴)[۲۰] نے لکھا ہے "کہ واپسی پر اکبر نے حکم دیا کہ ایک طولانی خیمہ (بارگاہ) مسجد کے نام سے دولت خانہ کے پاس کھڑا کیا جائے اور اس میں وہ پانچ وقت نماز باجماعت ادا کرتے تھے۔"[۲۱] بدایونی[۲۲] نے لکھا ہے کہ ۱۵۷۶ء میں اکبر نے اس کی خوش آوازی کی وجہ سے چہار شنبہ (بدھ) کے دن کی امامت اس کے سپرد کی

محدثین کی روش پر چلتے تھے۔ اپنے آباو اجداد کی روش کے برخلاف سماع و غنا کو ناپسند کرتے تھے۔ تقویٰ و طہارت و عبادت ظاہری سے اشتغال رکھتے تھے۔ (عبدالحئ حسنی، **نزهة الخواطر** (ملتان: ادارہ تالیفات اشرفیہ، ۱۹۹۱)، ۴: ۱۹۶۔)

۱۶۔ مولانا نورالدین عبدالرحمٰن (۱۴۱۴ء–۱۴۹۲ء) خراسان کے برگزیدہ صوفی، جلیل القدر شاعر تھے۔ ان کا خاندان علاقہ جام میں رہتا تھا، اس نسبت سے آپ نے جامی تخلص کیا۔ نقشبندی سلسلے سے تعلق تھا۔ آپ کی نگارشات متنوع بھی ہیں اور متعدد بھی۔ آپ کی زیادہ تر تصنیفات اگرچہ نثر میں ہیں لیکن شہرت شعری تخلیقات کے باعث ہوئی۔ (**اردو دائرہ معارف اسلامیہ**، (لاہور: دانش گاہ پنجاب، ۱۹۷۱ء) بحوالہ مقبول بیگ بدخشانی، **ادب نامہ ایران** (لاہور: یونی ورسٹی بک ایجنسی، س ن)، ۷: ۵۸۔)

۱۷۔ شیخ محمد اکرم، **رود کوثر** (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۴ء)، ۸۸۔

۱۸۔ نفس مرجع۔

۱۹۔ بدایونی، مصدرِ سابق، ۲: ۴۷۵۔

۲۰۔ آپ بدخشاں کے رہنے والے تھے۔ تصوف سے بڑی وابستگی تھی چناں چہ علم تصوف پر پورا عبور حاصل تھا۔ ہندوستان آئے تو اکبر نے بھرپور پذیرائی کی۔ آپ ایک خوش بیان عالم تھے۔ بدایونی کے مطابق فتح پور میں آپ پہلے فرد تھے جنھوں نے بادشاہ کے سامنے سجدہ تعظیمی کرنے کی رسم ایجاد کی۔ (بدایونی، مصدرِ سابق، ۲: ۲۴۵۔)

۲۱۔ خواجہ نظام الدین احمد، **طبقات اکبری**، مترجم: محمد ایوب قادری (لاہور: اردو سائنس بورڈ، اپر مال، ۲۰۰۸)، ۲: ۳۶۴۔

۲۲۔ عبدالقادر بن ملوک شاہ دور اکبری کا نامور مؤرخ اور **منتخب التواریخ** کا مؤلف ہے۔ تمام عمر اکبر بادشاہ کی خدمت میں گزاری۔ اکبر کے حکم سے بعض سنسکرت کی کتب کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ (نظام الدین، **طبقات اکبری**، ۲: ۴۹۷۔)

اور اسے سات اماموں میں داخل کر دیا۔ اور خواجہ دولت ناظر کو اس کام پر مقرر کیا کہ وہ اسے دن اور رات میں پانچوں نمازوں کے وقت حاضری کی یاد دہانی کرا دے۔[۲۳]

اکبر نے یہ سن رکھا تھا کہ حضور ﷺ اور خلفائے راشدین جمعہ اور عیدین پر خود خطبہ دیا کرتے تھے اور بعد کے خلفا نے بھی ان کی پیروی کی۔ لہٰذا اکبر بھی ان کی سیرت کی پیروی کرتے ہوئے ۱۵۸۰ میں جمعہ کے دن دار الخلافہ فتح پور کی جامع مسجد میں منبر پر گیا اور ان کلمات کے ساتھ خطبے کا آغاز کیا:

خداوندے کہ مارا خسروی داد
دل داناو بازوئے قوی داد
بعدل و داد، مارا رہنموں کرد
بجز عدل، از خیال ما بروں کرد
بود و صفش زحد فہم برتر تعالیٰ
شانہ اللہ اکبر

(وہ اللہ کہ جس نے ہمیں بادشاہت عطا کی، سمجھ والا دل اور مضبوط بازو عطا کیے۔ ہمیں عدل کرنا سکھایا اور رہ نما بنالیا۔ ہمارے خیال سے عدل کے سوا ہر چیز کو نکال دیا۔ اس ذات تعالیٰ کا وصف کرنا فہم سے برتر ہے۔ اس کی شان اللہ اکبر ہے۔)

فیضی کے ان بلیغ اشعار پر جو حمد و ثنا اور اللہ بزرگ و برتر کی نعمتوں کے شکر پر مشتمل ہیں اور جن میں عدل و داد کی ترغیب دی گئی ہے، اختصار کیا، سورۃ فاتحہ پڑھی اور منبر سے اتر آیا اور نماز جمعہ ادا کی۔[۲۴] ونسنٹ سمتھ (V.A. Smith) نے لکھا کہ اکبر نے کئی دفعہ جمعہ پڑھایا:

> According to Badāonī he lost his nerve and broke down, but the other historians do not support that statement. He repeated the experiment several times.[۲۵]

(بدایونی کے مطابق (جب) وہ (اکبر ممبر پر چڑھا تو) گھبرا گیا اور لرزنے لگا لیکن دوسرے مؤرخین اس بات کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس نے کئی مرتبہ یہ تجربہ (جمعہ پڑھانے کا) دہرایا۔)

۲۳۔ بدایونی، **منتخب التواریخ**، ۲: ۴۴۹۔

۲۴۔ نفس مصدر، ۲: ۳۶۰۔

25– Vincent A. Smith, *Akbar: The Great Mogul, 1542-1605* (Oxford: Clarendon Press, 1917), 177.

۱۵۸۳ء میں گلبدن بیگم [۲۶] و سلیمہ سلطان بیگم [۲۷] اور دوسری بیگمات کے متعلق خبر ملی کہ مکہ معظمہ سے بذریعہ بحری راستہ گجرات آ چکی ہیں۔ وہ چند سال تک ان مقدس مقامات پر عبادات میں مصروف رہ کر حج و عمرہ کر کے واپس آئیں اور شہر اجمیر میں پہنچیں، اکبر نے ان کی آمد کا سن کر شہزادہ سلیم کو ان بیگمات کے استقبال کے لیے بھیجا۔ اس نے اجمیر جا کر ان بیگمات سے ملاقات کی، خواجہ معین الدین چشتی [۲۸] کے مزار کی زیارت کی، فقرا کو کچھ دولت تقسیم کی اور پھر یہ سب لوگ اجمیر سے واپس آئے۔ جس روز یہ لوگ فتح پور پہنچے، اکبر بادشاہ نے استقبال کیا اور بیگمات کو نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ شہر میں لایا۔ [۲۹] مونیسراٹ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اکبر کی پھوپھی جب حج سے واپس آئیں تو اس کے آنے کی خوشی میں اس نے راستوں کو سجایا اور خود اس کا استقبال کر کے اس کے ساتھ محل تک گیا۔ راستہ میں لوگوں میں روپیہ پیسہ بانٹا گیا۔ [۳۰] اسی زمانے میں میر ابوتراب [۳۱] اعتماد

۲۶۔ گلبدن بیگم (۱۵۲۳ء– ۱۶۰۳ء) بابر بادشاہ کی بیٹی تھی۔ گلبدن کی یادگار تصنیف **ہمایوں نامہ** ہے۔ یہ اس عہد کی مختصر دستاویز اور اہم ماخذ ہے۔ وہ ایک مؤرخ اور ایک شاعرہ بھی تھی۔ (بدایونی، مصدر سابق، ۲: ۳۳۰۔)

۲۷۔ بابر بادشاہ کی بیٹی گل رخ کی بیٹی سلیمہ بیگم تھی۔ یہ ہمایوں کی بھانجی تھی۔ اکبر نے اس کا نکاح ۱۵۶۵ میں بیرم خان سے کروادیا تاکہ اس رشتے کے ذریعے بیرم خان کا اعزاز اور سلطنت سے تعلق مضبوط رہے۔ یہ ایک شاعرہ بھی تھی۔ (بدایونی، مصدرِ سابق، ۲: ۳۳۴۔)

۲۸۔ برّصغیر میں خواجہ معین الدین چشتی سجزی (۱۱۴۲ء–۱۲۳۵ء) پرتھوی راج میں (لاہور) تشریف لائے۔ اس زمانے میں سید علی ہجویری کا انتقال ہو چکا تھا تاہم لاہور تصوف کا گہوارہ بن چکا تھا۔ وہاں سے خواجہ صاحب ملتان آئے اور پانچ برس وہاں مقیم رہ کر ہندوؤں کی زبان (سنسکرت) سیکھی۔ یہاں سے آپ دہلی تشریف لے گئے اور دہلی سے اجمیر گئے، پھر وہیں مستقل قیام پذیر ہو کر تبلیغ و اشاعت کا کام شروع کیا۔ اس دور میں اجمیر شمالی ہند کا ممتاز سیاسی اور ثقافتی مرکز تھا۔ خواجہ معین الدین چشتی کا برصغیر آنا ایک زبردست روحانی اور سماجی انقلاب کا رونما ہونا تھا؛ کیوں کہ گیارھویں اور بارھویں صدی عیسوی میں برصغیر کی سماجی حالت بڑی دگرگوں تھی۔ لوگ ایک دوسرے سے برسرپیکار تھے، غریب لوگ مصائب میں مبتلا تھے۔ خواجہ معین الدین چشتی نے چھوت چھات کے اس ماحول میں اسلام کا نظریۂ توحید عملی حیثیت سے پیش کیا۔ (مولانا سید ابوالحسن ندوی، **تاریخ دعوت و عزیمت** (کراچی: مجلس نشریات اسلام، ۱۹۷۹ء)، ۳: ۲۶۔)

۲۹۔ نظام الدین، **طبقات اکبری**، ۲: ۳۸۲۔

۳۰۔ مبارک علی، **اکبر کا ہندوستان** (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۰۲ء)، ۱۷۲۔

۳۱۔ میر ابوتراب گجراتی اہم سیاسی شخصیت تھا۔ ۱۵۹۶ء میں اس نے وفات پائی، اور وہ گجرات میں دفن ہوا۔ اس نے ایک تاریخ گجرات لکھی ہے جسے ۱۹۰۹ء میں مشہور مستشرق ڈینی سن نے ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (کلکتہ) سے شائع کیا ہے۔ (نظام الدین، **طبقات اکبری**، ۲: ۳۸۲۔)

خان جو بیگمات کے ساتھ حجاز گئے تھے، اکبر کے پاس آئے اور اسے بتایا کہ میر ابو تراب ایک ایسا پتھر لایا ہے جس پر حضور ﷺ کے قدم کا نقش ہے۔ اکبر نے چار کوس سے قدم مبارک کا استقبال کیا اور اس پتھر کی تعظیم و تکریم کی۔ اور حکم دیا کہ تمام امرا اس پتھر کو کندھوں پر اٹھا کر چند قدم چلیں۔ اس طرح سے لوگ ایک ایک کر کے باری باری اسے لیتے تھے یہاں تک کہ شہر لے آئے۔ (۳۲) اکبر خواجہ معین الدین چشتی سے عقیدت کی وجہ سے ہر سال اجمیر جاتا۔ اگر کوئی مہم درپیش ہوتی یا کوئی خاص مقصد مراد ہوتا تو ایک منزل سے پیدل جاتا تھا، گھنٹوں حالت مراقبہ میں رہتا۔ اس کی فوج کا نعرہ "یا معین" تھا۔ (۳۳)

اگرچہ اکبر پڑھنا لکھنا نہیں جانتا تھا مگر عملی زندگی میں وہ ایک متجسس مفکر تھا، جسے ہمیشہ علم کی تلاش رہتی تھی۔ وہ ہر مذہب اور عقیدے کا گہرا علم رکھتا تھا، اور ہمیشہ مزید جاننے کی کوشش میں رہتا تھا۔ اس معاملے میں اس کا دربار نادر روزگار تھا، اس میں ہندو، مسیحی، جین، زرتشت، مسلمان اور سکھ مذہب کے فلاسفر اور مذہبی سکالرز جمع رہتے تھے۔ دربار میں اکثر مذاہب پر مکالمہ جاری رہتا تھا، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اکبر کی دیگر مذاہب میں دل چسپی بڑھتی گئی۔ دور اکبری میں عبادت خانوں میں اسلامی فرقوں کے علاوہ مسیحی، پارسی، ہندو غرض ہر مذہب کے علما کو شرکت کی دعوت دی گئی اور ہر ایک کے عقائد و شعائر سیکھنے کی کوشش کی گئی۔ یہ بجائے خود قابل اعتراض بات نہ تھی، لیکن اس کا اعلان ایسے اعمال سے ہوا جو مسلمانوں کے ظاہری اعمال کے سراسر خلاف تھی۔ (۳۴)

جب اکبر اپنی حکومت کے آخری دنوں میں لاہور موجود تھا تو اس نے وہاں بادشاہی محل کے صحن میں ایک مسجد بنوائی اور حکم دیا کہ ہر شخص اس جگہ ہمارے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے۔ تاکہ شاہی قلعہ کے اندر جو لوگ کام میں مصروف ہوں، مسجد دور ہونے کی وجہ سے کہیں ان کی نماز رہ نہ جائے۔ (۳۵)

اس سے پتا چلتا ہے کہ اس دور میں جب مسیحی تاریخ دان لکھتے ہیں کہ لاہور میں کوئی مسجد نہیں، سب مساجد گرا دی گئیں، (۳۶) اس وقت اکبر نے خود وہاں ایک مسجد تعمیر کروائی۔

۳۲۔ بدایونی، **منتخب التواریخ**، ۲: ۵۰۲۔

۳۳۔ نظام الدین، **طبقات اکبری**، ۲: ۲۹۲؛ جہانگیر، **تزک جہانگیری**، مترجم، مولوی احمد علی رام پوری (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء)، ۶۱۔

۳۴۔ سید ہاشمی فرید آبادی، **محمد بن قاسم سے اورنگ زیب عالمگیر تک** (لاہور: ادارہ معارف اسلامی، ۱۹۸۹ء)، ۴۷۳۔

۳۵۔ نفس مرجع، ۳: ۶۵۳۔

۳۶۔ مبارک علی، **اکبر کا ہندوستان**، ۱۴۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ (۱۵۶۴ء-۱۶۲۵ء)[۳۷] جن کا اکبر کے بارے میں یہ خیال تھا کہ وہ برصغیر میں مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ میں ناکام رہا اور ان کے آزادی کے ساتھ عبادت ادا کرنے کے حق استعمال میں رکاوٹ بنتا ہے نیز بالواسطہ انھیں سزا بھی دیتا ہے۔ مختصراً یہ کہ بحیثیت مسلمان حکمران اپنے فرائض کو پورا کرنے میں قاصر رہا لیکن کہیں بھی اس پر الحاد کا الزام نہیں لگایا۔ اس کے برعکس شیخ احمد نے اس اصول کی حمایت کی، جس کا انطباق اکبر پر کیا جا سکتا ہے کہ جن مسلمانوں نے کافروں کے طور طریقے اپنا لیے اللہ تعالیٰ انھیں معاف کرنے والا اور ان پر رحم کرنے والا ہے، جیسا کہ اکثر ہندوستانی مسلمانوں نے لاعلمی میں کیا اور یہ کہ اگر ان کے اندر رتی برابر بھی اسلام موجود ہے تو انھیں مغفرت حاصل ہو جائے گی۔[۳۸]

اکبر کے علماء و صوفیا سے تعلقات

مذہبی ہم آہنگی کے باب میں اکبر صوفیانہ خیالات سے متاثر تھا، اس نے صوفیہ سے قریبی تعلق رکھے اور کثیر المذاہب مغلیہ سلطنت کو کام یابی سے مذہبی مساوات ور رواداری کی راہ پر ڈالا۔ ان میں سے چند ایک صوفیہ کا

۳۷- آپ دارالحکومت اکبر آباد (آگرہ) بھی گئے۔ وہاں ابوالفضل و فیضی سے صحبتیں بھی رہیں لیکن اختلاف ذوق و مسلک کی وجہ سے ان سے مناسبت نہ ہوئی اور بعض دفعہ کچھ ردّ و کد کی بھی نوبت آئی جس کی وجہ سے آمد و رفت موقوف کر دی۔ مجدد الف ثانی نے تبلیغی مقصد کے لیے ایک مکمل نظام قائم کیا تھا، وہ سرہند میں لوگوں کو ضروری تربیت دیتے تھے۔ اس طرح تیموری سلطنت کے کونے کونے میں ان کا پیغام پہنچ گیا۔ آپ کی باتوں میں چوں کہ خلوص ہوتا تھا اس لیے لوگوں پر کافی اچھا اثر ہوتا تھا، یوں ہزاروں مسلمانوں کے عقائد صحیح ہو گئے۔ مسلمان تو مسلمان، غیر مسلم بھی ان کی تعلیم اور اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے اور کئی غیر مسلموں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ اکبر کے بعد جہانگیر نے ۱۶۱۹ء میں کسی غلط فہمی کی بنیاد پر آپ کو قلعہ گوالیار میں بند کر دیا۔ گوالیار کی اس نظر بندی کے دوران آپ نے وہاں تبلیغ و ارشاد کا کام شروع کر دیا اور کئی ہزار غیر مسلم قیدی آپ کی دعوت و تبلیغ اور صحبت و تربیت کے فیض سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ تاہم باہمی امن و امان کی خاطر اور ہندوستان کے مخصوص حالات کے حوالے سے آپ کا اصول یہ تھا: ”مسلمانان بر دین خود باشند و کفار بر کیش خود ﴿لكم دينكم ولي دين﴾ (القرآن، ۱۰۹:۶) بیان این معنی است“ ”مسلمان اپنے دین پر رہیں اور کفار اپنے مذہب پر اور یہ اس آیت کا مفہوم ہے کہ ”تمھارے لیے تمھارا دین اور میرے لیے میرا دین“۔ یعنی آپ نے امتزاج و اتحاد کی نفی کر کے رواداری کا پہلو نکالا اور یہ طریق کار حالات کا واحد قابل عمل حل ہونے کے علاوہ منصفانہ بھی تھا۔ (ثروت صولت، **ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ** (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، ۲۰۰۴ء)، ۳۱۴۔)

۳۸- احمد سرہندی، **مکتوبات**، (لکھنؤ، ۱۸۷۷)، بہ حوالہ عزیز احمد، **برصغیر میں اسلامی کلچر**، مترجم، ڈاکٹر جمیل جالبی (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۷ء)، ۲۶۴۔

ذکر یہاں کیا جاتا ہے:

۱۔ **مولانا سعید ترکستانی**(۱۵۶۳ء) اپنے زمانہ کے بہت بڑے عالم تھے۔ درویشی اور انکسار کا غلبہ تھا۔ ہندوستان آنے کے بعد اکبر سے ملاقات ہوئی تو اکبر کو آپ کی مصاحبت بہت پسند آئی۔ آپ کی گفت گو اور بیان بڑا فصیح اور دلکش ہوتا تھا۔ اپنے شاگردوں سے نہایت نرمی سے پیش آتے۔ ہندوستان سے کابل لوٹ گئے وہیں وفات پائی۔[۳۹]

۲۔ **شیخ سلیم چشتی** (۱۵۷۲ء) آپ شیخ فرید گنج شکر کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کے والد کا نام شیخ بہاء الدین تھا۔ آپ کے پردادا شیخ سلیمان پاکپتن سے لدھیانہ آکر رہے۔ آپ کے والد لدھیانہ سے دہلی چلے گئے۔ آپ خشکی اور تری کے راستوں سے دو دفعہ حرمین کی زیارت و طواف کے لیے ہندوستان سے حجاز گئے۔ آپ نے بائیس حج کیے تھے، چودہ حج سیاحت کے پہلے دورے میں اور آٹھ حج سیاحت کے دوسرے دورے میں۔ آخری بار جب حرمین پہنچے تو چار سال مکہ معظمہ رہے اور چار سال مدینہ منورہ قیام کیا۔ بلاد عرب میں آپ "شیخ الہند" کے نام سے مشہور تھے۔ بہت سے اہل کمال شیوخ نے آپ سے علمی استفادہ کیا۔[۴۰] شیر شاہ سوری اور سلیم شاہ سوری کے دور میں بھی آپ کا بڑا اعزاز تھا۔ اکبر نے اولاد نرینہ کے لیے شیخ سلیم سے دعا کروائی تھی۔ اس لیے بیٹے کی پیدائش پر اس کا نام سلیم (جہانگیر) آپ کے نام پر رکھا۔ آپ سے ربط و تعلق کی وجہ سے اکبر نے کوہ سیکری پر آپ کی قدیم خانقاہ کے قریب ایک بڑی عمارت رنگ محل کا سنگ بنیاد رکھا، وہیں ایک نئی خانقاہ اور ایک وسیع مسجد بنوائی۔ یہ مسجد پانچ سال میں مکمل ہوئی۔ اس بستی کا فتح پور نام رکھا گیا۔ آپ کی خانقاہ ہی شہر فتح پور کی آبادی کا باعث بنی۔[۴۱]

۳۔ اکبر کے دور کی ایک نمایاں ہستی **شیخ داؤد کرمانی شیر گڑھی** (م ۱۵۷۴) ہیں، آپ کے بزرگ عرب سے ہندوستان تشریف لائے اور ملتان کے قریب ایک قصبہ میں اقامت پذیر ہوئے۔ آپ نے علوم ظاہری، مشہور شاعر اور عالم مولانا جامی کے شاگرد مولانا اسماعیل سے لاہور میں حاصل کیے۔ بعد میں آپ ملتان کی معروف روحانی شخصیت سید موسیٰ پاک شہید کے والد محترم شیخ حامد قادری کے مرید ہوئے۔ آپ

۳۹۔ بدایونی، **منتخب التواریخ**، ۳: ۶۴۴۔

۴۰۔ نفس مصدر، ۲: ۵۶۸۔

۴۱۔ نفس مصدر، ۲: ۳۸۴۔

شیر گڑھ میں رہائش پذیر ہوئے جلد ہی آپ کی شہرت سارے ہندوستان میں پھیل گئی۔ شاید ہی کوئی دن ایسا ہوتا ہو گا جب سو سو، پچاس پچاس، ہندو اپنے اہل و عیال کے ساتھ حاضر خدمت ہو کر مسلمان نہ ہوتے ہوں۔[۴۲]

۴۔ **حافظ کوکی، حافظ تاشقندی** کے نام سے مشہور تھے۔ نہایت متبحر عالم تھے۔ تمام علوم بہ خوبی جانتے تھے، لوگوں کو اپنے علوم سے کافی فائدہ پہنچایا۔ ماوراءالنہر میں تمام علما آپ کو بڑا مانتے تھے۔ بہ ظاہر فوجی وضع قطع میں رہتے تھے ہمیشہ ترکوں کی طرح ترکش کمر سے باندھے ہوئے سوار رہا کرتے تھے۔ ۱۵۷۰ء میں ہندوستان تشریف لائے، اکبر سے ملاقات کی اور بھاری انعامات سے سرفراز ہوئے۔ یہاں سے براستہ گجرات حرمین شریفین چلے گئے اور وہاں سے روم تشریف لے گئے۔[۴۳]

۵۔ **قاضی نظام بدخشی** (۱۵۸۴ء) بدخشاں کے رہنے والے تھے۔ تصوف سے بڑی وابستگی تھی چناں چہ علم تصوف پر پورا عبور حاصل تھا۔ آپ بدخشاں میں امرائے شاہی میں داخل تھے۔ ہندوستان آئے تو اکبر نے بھرپور پذیرائی کی۔ پہلے قاضی خان کا پھر غازی خان کا خطاب ملا۔ آپ نہایت فصیح زبان اور خوش بیان عالم تھے۔ آپ کی کئی معتبر تصانیف ہیں۔ ایک رسالہ کلام و بیان ایمان تحقیق و تصدیق کے موضوعات پر لکھا۔ **شرح عقائد** پر حاشیہ لکھا۔ تصوف میں بھی بہت سے رسالے تصنیف کیے۔ بدایونی کے مطابق فتح پور میں آپ پہلے فرد تھے جنھوں نے بادشاہ کے سامنے سجدہ تعظیمی کرنے کی رسم ایجاد کی۔[۴۴]

۶۔ **شیخ مبارک ناگوری** (۱۵۰۵ء–۱۵۹۳ء) اپنے دور کے ممتاز علما اور مشائخ میں سے تھے تو کل میں اعلیٰ شان رکھتے تھے۔ آپ نے عربی زبان میں چار جلدوں پر مشتمل ایک تفسیر لکھی جس کا نام **منبع عون المعاني** ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی اعلیٰ تالیفات ہیں۔ آپ پچاس سال تک دارالحکومت آگرہ میں خلق خدا کو فائدہ پہنچاتے رہے۔ آپ کے بیٹے ابوالفضل ملک الشعرا اور شیخ ابوالفیض فیضی و شیخ ابوالخیر وغیرہ تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے بیٹوں کے نام اسم بامسمیٰ رکھے ہیں۔[۴۵]

۴۲۔ عبدالحئ، **نزهة الخواطر**، ۴: ۹۸۔

۴۳۔ بدایونی، مصدر سابق، ۳: ۶۴۴۔

۴۴۔ مصدر سابق، ۳: ۶۴۵۔

۴۵۔ نظام الدین، **طبقات اکبری**، ۲: ۵۰۳۔

۷۔ اوچ سے تعلق رکھنے والے بزرگوں میں **حضرت موسیٰ پاک شہید** (۱۵۴۵ء-۱۶۰۱ء) کا نام بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ آپ کا شجرہ نسب اور سلسلہ طریقت شیخ عبدالقادر جیلانی کے واسطے سے حضرت سید نا امام حسن رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ آپ صرف مذہبی و روحانی رہ نمائی تک محدود نہ رہے بلکہ عملی طور پر بھی مہمات میں حصہ لیا اور یوں علم کے ساتھ عمل، دین کے ساتھ دنیا اور روحانی مدارج طے کیے۔ آگرہ میں آپ نے ایک عرصے قیام فرمایا اور پھر وہاں سے دہلی تشریف لے گئے جہاں آپ دنیوی فرائض کے ساتھ ساتھ دین کی خدمت بھی انجام دیتے رہے۔ آپ نے اکبر کی فوج میں سپاہ گری کا پیشہ قبول کیا۔ اکبر نے آپ کو پانصدی امیروں کی صف میں جگہ دے دی۔[۴۶] شیخ محمد اکرام کے مطابق "شیخ موسیٰ ایک عرصہ تک لشکر شاہی اور دار السلطنت میں اسلام کا بول بالا کرتے رہے اور کئی شہر نشینوں کو اس بادہ پیما کی بدولت روحانی تازگی اور استقامت نصیب ہوئی۔"[۴۷] حضرت موسیٰ پاک نے کچھ عرصہ دہلی میں قیام فرمایا اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا اور پھر وہاں سے اوچ کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ کے نزدیک وہ عمل جو دل کی رغبت سے نہ کیا جائے خدا تعالیٰ کے نزدیک مقبول نہیں، جب کسی کو عبادت و ریاضت کا زعم ہو جائے تو وہ مغرور ہو جاتا ہے اور دوسروں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اس لیے وہ ایسے شخص کو توبہ و استغفار کا مشورہ دیتے ہیں۔[۴۸]

اکبری دور میں مذہبی تکثیریت

جب اکبر نے ہوش سنبھالا تو ہندوستان کی فضا میں "ہندو مسلم اتحاد" کے نعرے گونج رہے تھے عوام ملا اور پنڈت دونوں سے بد ظن ہو چکے تھے، ان کا کہنا یہ تھا کہ ان دونوں نے اپنی پیٹ پوجا کے لیے مذہبی اختلافات پیدا کر دیے ہیں اور اب وقت آ گیا ہے کہ اختلافات کی خلیج پاٹ کر مل جل کر رہنے کے لیے راستہ تلاش کیا جائے۔[۴۹] بھکتی تحریک[۵۰] نے ہندوستان میں ایک ایسی فضا پیدا کر دی تھی جس نے مختلف الخیال لوگوں کے

۴۶۔ بدایونی، مصدرِ سابق، ۳: ۶۱۲۔

۴۷۔ اکرام، **رود کوثر**، ۳۵۰۔

۴۸۔ مفتی محمد غلام سرور لاہوری، **حدیقۃ الاولیاء** (لکھنؤ: منشی نول کشور، ۱۸۸۹ء)، ۱۴۔

۴۹۔ محمد اسلم، **دین الٰہی اور اس کا پس منظر** (لاہور: ندوۃ المصنفین، سمن آباد، ۱۹۷۰ء)، ۱۴۲۔

۵۰۔ چودھویں صدی کے آخر میں لودھی دور حکومت میں ہندوستان میں ایسے بزرگوں کا ظہور ہوا جنھوں نے ہندو اور مسلم عقائد کو ملانے کی خواہش کی۔ ان بزرگوں میں ایک کبیر (۱۴۴۰ء– ۱۵۱۸ء) ہیں، جنھیں **تذکرہ اولیاے ہند** میں شیخ کبیر جولاہہ

درمیان تعصب ختم کر دیا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے میل جول سے مسلمانوں میں ہندوؤں کے علوم سیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ یہ بھگتی تحریک کی پیدا کردہ فضا تھی جس میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے بیٹے شیخ رکن الدین ایک ہندو سنیاسی اننت کر سے اسرار توحید معلوم کرنے جایا کرتے تھے۔ گرونانک کے تعلقات پاکپتن کے سجادہ نشین شیخ ابراہیم فرید ثانی کے ساتھ بڑے خوش گوار تھے، گرونانک ان کے ہاں بہ طور مہمان رہا کرتے تھے۔ گورو صاحب نے فرید ثانی کا کلام گرنتھ صاحب میں شامل کر کے اسے امر کر دیا۔[۵۱]

مذہبی ہم آہنگی کے باب میں اکبر کا خیال تھا کہ مختلف مذاہب[۵۲] کو یک جا کیا جا سکتا ہے، اس نے ایک مذہب کی دوسرے پر برتری کے تصور کے بجائے برابری کے تصور کو اپنایا۔ اکبر نے ایک خاصی بڑی جماعت ایسے لوگوں کی پیدا کر لی جنھیں اس کے ساتھ اور اس کے مقاصد کے ساتھ دلی لگاؤ تھا۔ ان میں دو مشہور بھائی فیضی (۱۵۹۶ء)[۵۳] اور ابوالفضل (۱۶۰۱ء)[۵۴] بیربل، راجہ مان سنگھ اور عبدالرحیم خانخاناں (۱۶۲۵ء)[۵۵] تھے۔ اکبر

قدس سرہ لکھا ہوا ہے۔ آپ حضرت تقی سہروردی کے خلیفہ تھے، ہندو مسلمان دونوں گروہ آپ کے معتقد تھے۔ آپ کی تقلید گورونانک (۱۴۶۹ء–۱۵۳۸ء) نے کی، اس تحریک کو بھگتی تحریک کا نام دیا گیا۔ (شیخ محمد اکرام، **آب کوثر** (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۴ء)، ۴۶۵۔)

۵۱– نفس مرجع۔

۵۲– اکبر نے کبیر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسلام اور ہندو مذہب کے درمیان ایک راہ نکالی تھی جسے وہ توحید الٰہی اور بدایونی دین الٰہی کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ اکبر نے بھی کبیر کی طرح یہی کیا کہ اسلام اور ہندو مذہب کے اچھے اچھے اصول اپنائے اور جو باتیں اس کے مشن کے منافی تھیں انھیں ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ (اسلم، **دین الٰہی اور اس کا پس منظر**، ۱۴۲۔)

۵۳– شیخ مبارک (۱۵۹۳ء) کا بیٹا تھا۔ اس زمانے کا فارسی کا سب سے بڑا شاعر، مصنف تھا۔ اس نے ننانوے کتب لکھیں۔ قرآن کریم کی غیر منقوط تفسیر **سواطع الإلهام** لکھی۔ فن طب کا بھی ماہر تھا، لوگوں کا مفت علاج کرتا اور مفت ادویات دیتا تھا۔ (بدایونی، **منتخب التواریخ**، ۳: ۲۹۷۔)

۵۴– شیخ مبارک کا بیٹا، اپنے زمانہ کا سب سے بڑا انشا پرداز سمجھا جاتا تھا۔ اس نے **اکبر نامہ** اور **آئین اکبری** کے نام سے اس عہد کی دو تواریخ لکھی ہیں۔ اس کے علاوہ **مکتوبات علامی**، **عیار دانش**، **رسالہ مناجات**، **جامع اللغات**، **کشکول**، **تفسیر آیۃ الکرسی**، **تفسیر سورۃ الفاتحہ**، **تفسیر سورۃ الفتح** اور سنسکرت کی کئی کتب کے تراجم کیے۔ (مولوی ذکاء اللہ دہلوی، **تاریخ ہندوستان** (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۱۹۹۸ء)، ۵: ۱۰۸۰۔)

۵۵– عبدالرحیم (۱۵۱۸ء– ۱۶۲۷ء) بیرم خان کا بیٹا تھا۔ اکبر اسے مرزا خان کا نام دیا کرتا تھا، شاعر تھا۔ عربی، ترکی، فارسی اور سنسکرت زبان میں مہارت رکھتا تھا۔ ۱۵۸۳ء میں مظفر گجراتی کے مقابلے میں سالار لشکر بن کر احمد آباد گجرات پر فوج کشی کی اور فتح پائی اور خانخاناں کا آبائی خطاب حاصل کیا۔ خانخاناں علم دوست، شیریں کلام شاعر تھا۔ (نظام الدین، **طبقات اکبری**،

کا دربار تمام مذاہب کے پیروکاروں کا اور ان سب لوگوں کو جو خود بھی نئے خیالات یا جدت پسند طبیعتیں رکھتے تھے، مرکز بن گیا۔ دوسروں کے خیالات کے ساتھ رواداری میں ہر قسم کے عقائد کی عزت افزائی میں اکبر اس قدر آگے بڑھ گیا کہ بعض وہ لوگ جو بہت متصلب قسم کے مسلمان تھے اس سے ناراض ہو گئے۔ یہاں تک کہ اس نے ایک ایسا مذہب جاری کر دیا جو تمام مذاہب کے عقائد پر مشتمل تھا۔ اس مذہب کا مقصد یہ تھا کہ یہ سب کی طبیعتوں سے میل کھا سکے۔ اس کے زمانے میں شمالی ہند میں ہندو مسلمانوں کے تہذیبی امتزاج نے بہت ترقی کی۔ بہ قول جواہر لعل نہرو یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اکبر ہندوؤں میں بھی اتنا ہی مقبول تھا جتنا مسلمانوں میں۔ اس کی وجہ سے مغل خاندان ہندوستان میں اس طرح جڑ پکڑ گیا گویا کہ یہیں کا خاندان تھا۔[۵۶]

اکبری دور حکومت میں کوتوال کے نام جو ہدایات درج تھیں ان میں اسے کہا گیا تھا کہ بیوہ خواتین شادی کرنا چاہیں تو انھیں کوئی منع نہ کرے۔ کم عمر ہندو لڑکی اگر خلوت نشینی سے قبل بیوہ ہو جائے تو اسے ستی نہ کیا جائے بلکہ کسی ہندو رنڈوا سے اس کی شادی کروا دی جائے۔ ہندوؤں کے تہوار اسی حساب سے منائے جائیں جس کیلنڈر کو راجا بکرماجیت[۵۷] نے رواج دیا تھا۔ ہندوؤں کے معاملات کا فیصلہ مسلمان قاضی نہیں بلکہ اس کے لیے وہ کسی دانا برہمن سے رجوع کریں گے۔[۵۸] اس نے ہندو مذہب میں صرف ان معاملات میں مداخلت کی جنھیں وہ غیر منصفانہ سمجھتا تھا جیسا کہ اس نے ستی کی رسم پر پابندی عائد کی۔ ۱۵۹۱ میں ستی سے متعلق یہ حکم بھی دیا کہ جو عورت اپنی مرضی سے اپنے شوہر کی چتا کے ساتھ جلنا چاہے اسے نہ روکیں، لیکن کسی عورت کو زبردستی شوہر کی میت کے ساتھ نہ جلایا جائے۔[۵۹] سورج اور روشنی سے متعلق اکبر کے جو احکامات تھے، لوگ اسے آفتاب پرستی کہتے تھے۔[۶۰]

۲: ۴۴۱۔)

۵۶- نہرو، **تلاش ہند**، ۳۳۵۔

۵۷- بکرماجیت ایک لقب ہے جو تاریخ قدیم کے نام ور حکم رانوں نے اپنی شان و شوکت کے اظہار کے لیے اختیار کیا تھا۔ گپت خاندان میں چندر گپت بکرماجیت مہاراجا (۳۷۵ء-۴۱۴ء) گزرا ہے۔ یہ اپنی بہادری اور سخاوت کے لیے مشہور تھا۔ مہاراجا بکرماجیت نے ہندی کیلنڈر کا اجرا کیا تھا جسے بکرمی تقویم کہا جاتا ہے۔ بکرماجیت نے سن بکرمی کا آغاز اپنی پیدائش سے کیا جسے سمبت کہا جاتا ہے۔ اس میں عیسوی سن سے ستاون سالوں کی زیادتی پائی جاتی ہے۔ اس سال کا پہلا مہینہ چیت اور آخری مہینہ پھاگن ہوتا ہے۔

۵۸- بدایونی، **منتخب التواریخ**، ۲: ۵۲۸۔

۵۹- نفس مرجع، ۲: ۵۴۰۔

۶۰- ابوالفضل، **آئین اکبری**، مترجم: محمد فدا علی طالب (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۲۰۰۷ء)، ۱: ۸۱۔

اکبر جانتا تھا کہ سورج اور روشنی کے متعلق اس کے جو معمولات تھے، ان کو آذر پرستی کہا جاتا تھا۔ اس نے اپنے ان احکام کی وضاحت دی اور اس کی تائید میں قرآن پاک سے سورۃ الشمس کا حوالہ دیا۔ لیکن عوام اکبر کے ان خیالات سے متاثر نہ ہو سکی۔ اکبر کی عبادات کے اوقات عجیب تھے وہ سب سورج کی گردش سے متعلق تھے۔ سورج کی تعظیم اکبر نے پارسی مذہب سے لی تھی، ہندوؤں کی بھی کئی رسمیں اختیار کیں جیسا کہ تلادان،[۶۱] ہندو عوام کی خوشی کے لیے یہ کیا کہ دیوالی[۶۲] کے دن سجی سجائی گائیں منگواتا اور "صید دلہا" کا اہتمام کرتا۔ آئین اکبری میں درج ان باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اکبر کے غیر شرعی کاموں کی تفصیل دینے میں ابوالفضل نے کوتاہی نہیں کی۔ گو اس کے ہاں وہ غیر تصدیق افواہیں نہیں ہیں جو (بہ قول شیخ نور الحق محدث ابن شیخ عبدالحق محدث) عوام میں مشہور ہو گئی تھیں۔ لیکن جو قابل اعتراض احکام تھے اور آئین راہ نمونی کا جزو تھے وہ آئین اکبری میں درج ہیں۔ ان احکام کی ابو الفضل نے جو توجیہہ کی ہے وہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے قبول نہیں کی جا سکتی، لیکن یہ خیال غلط ہے کہ اس نے آئین اکبری اور اکبر نامہ میں اکبر کے غیر شرعی احکام کو درج نہیں کیا۔[۶۳]

مذہبی رواداری کی ایک علامتی مثال اس کا مشہور عبادت خانہ تھا، یہ عبادت خانہ اکبر کا ایک بڑا ورثہ تھا۔ یہ عبادت خانہ اس نے ۱۵۷۵ء میں فتح پور سیکری[۶۴] میں قائم کیا۔ پہلے پہل اس میں صرف سنی مسلمان آپس میں

۶۱۔ برہمن کو آدمی کے وزن کے برابر سونے چاندی وغیرہ کا دان دینا۔

۶۲۔ دیوالی ایک قدیم ہندو تہوار ہے جو ہر سال موسم بہار میں منایا جاتا ہے۔ یہ تہوار روحانی اعتبار سے اندھیرے پر روشنی کی، نادانی پر عقل کی، برائی پر اچھائی کی اور مایوسی پر امید کی فتح و کامیابی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اس تہوار کی تیاریاں ۹ دن پہلے شروع ہو جاتی ہیں اور ۵ دن تک رسومات جاری رہتی ہیں۔ اصل تہوار شمسی قمری ہندو تقویم کے مہینہ کارتیک میں اماوس کی رات یا نئے چاند کی رات کو منایا جاتا ہے۔ گریگورین تقویم کے مطابق یہ تہوار وسط اکتوبر اور وسط نومبر میں پڑتا ہے۔ دیوالی کی رات سے پہلے ہندو اپنے گھروں کی مرمت، تزئین و آرائش کرتے ہیں۔ دیوالی کی رات نئے کپڑے پہنتے ہیں، دیے جلاتے ہیں۔ کہیں روشن دان، شمع اور کہیں مختلف شکلوں کے چراغ جلائے جاتے ہیں۔ دولت و خوش حالی کی دیوی لکشمی کی پوجا کی جاتی ہے، پٹاخے داغے جاتے ہیں۔ بعد ازاں سب اہل خاندان اجتماعی دعوت کا اہتمام کرتے ہیں اور مٹھائیاں و تحائف تقسیم کیے جاتے ہیں۔

۶۳۔ اکرام، **رود کوثر**، ۱۲۱، ۱۲۴۔

۶۴۔ شیخ سلیم چشتی سے تعلق کی بنیاد پر شہر فتح پور آگرہ سے بائیس میل دور مغرب میں واقع ہے اور موضع سیکری سے چھ فرلانگ کے فاصلے پر ہے۔ سیکری کے پہاڑ کا نام کوہ اربلی ہے۔ اسی کی ایک شاخ کے دامن میں فتح پور آباد ہے۔ سیکری کی آبادی شیخ سلیم اور ان کے مریدوں سے شروع ہوئی تھی۔ جس غار میں ریاضت کرتے تھے وہ اب بھی مسجد سنگ تراش میں موجود ہے۔ پہلے اس کا نام فتح آباد رکھا گیا تھا۔ یہیں رانا سانگا کو بابر نے شکست دی تھی، اسی فتح کی یادگار میں یہ نام تجویز ہوا تھا۔ بعد

بحث مباحثہ کرتے تھے مگر بعد میں یہ ہندو، سکھ، عیسائی اور شیعہ سنی سمیت تمام مسلمان فرقوں کے لیے کھول دیا گیا۔ اکبر کی ابتدائی زندگی کا جب مطالعہ کیا جاتا ہے تو پتا چلتا ہے کہ وہ ایک عقیدہ پرست مسلمان اور چشتی تصوف کا مداح تھا۔ بیس برس تک اس کا یہ حال تھا کہ جس طرح سیدھے سادھے مسلمان خوش اعتقاد ہوتے ہیں، اسی طرح احکام شرح کو صدق دل سے بجالاتا، باجماعت نماز پڑھتا، اذان کہتا، مسجد میں اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتا، علما و فضلا کی تعظیم کرتا۔[۶۵] ان سب کے باوجود اکبر روحانی بے چینی کا شکار تھا، بہت سے مسائل اسے پریشان کرتے، علما کی طرف رجوع کرنے کے باوجود اسے تسلی بخش جواب حاصل نہیں ہوتے تھے۔ یہ امر حیران کن ہے کہ اکبر نہایت خود اعتماد، خود رائے ہونے کے باوجود مذہبی تشکیک کا شکار ہو گیا جو واضح طور پر بھکتی تحریک اور آزاد خیال صوفیہ کے خیالات کے فروغ سے پیدا ہوئی تھی۔ روحانی تسکین کے لیے اس نے مختلف مذاہب کے ارباب علم و دانش کی طرف رجوع کیا اور اس کی ابتدا مسلمانوں کے ہی مختلف مسالک کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کی کوشش سے ہوئی۔ اس مقصد کی خاطر اکبر نے ۱۵۷۱ میں شیخ سلیم چشتی کی نئی خانقاہ کے قریب ایک عمارت تعمیر کروائی، جسے 'عبادت خانہ' کا نام دیا گیا۔ اس عبادت خانے میں مختلف فرقوں کے علما کو مدعو کیا جاتا، جو اختلافی مسائل پر ایک دوسرے سے بحث کرتے تھے۔ خود اکبر ہر جمعہ کی سہ پہر کو ان مباحثوں میں شریک ہوا کرتا تھا۔[۶۶] عبادت خانے کے مباحث نے اکبر کے ذہن پر بھی اچھے اثرات مرتب نہ کیے۔ اکبر ان مباحث میں شرکت کرنے والے علما کے سماجی رویے سے دل برداشتہ ہوا۔ کیوں کہ ان لوگوں نے پہلے موقع پر ہی نشستوں کی ترتیب پر ایک دوسرے سے الجھنا شروع کر دیا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ ایسی محافل میں علم و فکر کی بجائے شہنشاہ اکبر سے قربت کے حوالے سے ان کی عظمت کا تعین ہو گا۔ اس مسئلے کو حل کرنے کی خاطر ارباب علم کو جنوب، اہل طریقت کو شمال، امرا کو مشرق اور سادات کو مغرب میں جگہ دینے کا حکم دیا گیا۔ اس کے بعد جب عبادت خانہ کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز ہوا تو اکبر یہ دیکھ کر حیران ہو گیا کہ ان لوگوں میں سے ہر ایک اپنے علاوہ دوسرے لوگوں کو گم راہ تصور کرتا ہے۔ اس صورت حال نے علم و دانش کے ان دعوے داروں سے اکبر کو بے زار کر دیا۔[۶۷] درج بالا صورت حال کے بعد بھی اکبر کی ذہنی جستجو ختم نہیں ہوئی۔

میں یہ شہر فتح پور کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اکبر کا قیام فتح پور میں بارہ برس رہا۔ جہانگیر نے آگرہ کو دارالحکومت بنایا۔ ۱۶۱۸ء میں آگرہ میں طاعون پھیل جانے کی وجہ سے جہانگیر فتح پور ٹھہرا رہا۔ (بدایونی، **منتخب التواریخ**، ۲: ۳۸۳۔)

۶۵۔ مولانا محمد حسین آزاد، **دربار اکبری** (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۱۹۹۱ء)، ۴۴۔

۶۶۔ نظام الدین، **طبقات اکبری**، ۲: ۳۸۲۔

۶۷۔ بدایونی، مصدر سابق، ۲: ۴۶۵۔

۱۵۷۵ء میں عبادت خانہ کے مباحث میں ابو الفضل کے آنے کے بعد اور جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ آہستہ آہستہ اکبر نے ان مباحث میں دیگر مذاہب کے علما کو بھی شامل کیا یہاں تک کہ یہ عبادت خانہ بین المذاہبی مرکز بن گیا۔

۱۵۷۶ء میں تین عبادت خانوں کی تعمیر مکمل ہوئی، ان کی تعمیر کا پس منظر یہ تھا کہ جب پچھلے چند سالوں میں اکبر کو بڑی بڑی فتوحات ملیں اور مملکت کی حدود میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا گیا، ملکی نظم و نسق حسب منشا قائم ہو گیا تو اس کی توجہ زیادہ تر عبادت و ریاضت کی طرف ہو گئی۔ چناں چہ اجمیر کی درگاہ اور درویشوں کے ساتھ صحبتیں رہنے لگیں اور اس کے زیادہ تر اوقات اللہ و رسول کے تذکرے میں گزرنے لگے۔ ان محافل میں وہ تصوف کی باتوں، فقہی مسائل اور علمی مباحث میں مصروف رہتا، راتوں کو بھی اٹھ کر عبادت کرتا رہتا۔ کسی نے "یاہو" اور "یا ہادی" کا وظیفہ بتایا وہ عموماً راتوں کو فرش پر بیٹھ کر مراقبہ کرتا اور یہ وظیفہ پڑھا کرتا۔ ان دنوں اس کے دل پر اللہ کی عظمت کا بڑا اثر تھا۔ حاکم بنگالہ سلیمان کرانی کے متعلق اس نے سن رکھا تھا کہ وہ مشائخین اور علما کے ساتھ تہجد کی نماز باجماعت ادا کرتا تھا اور فجر کی نماز تک ان علما کی مجالس میں تفسیر و تذکیر میں مصروف رہتا، فجر کی نماز پڑھنے کے بعد ملکی معاملات، فوج اور لشکر کے حساب کتاب میں وقت گزارتا۔ اس کے اس معمول میں کبھی فرق نہیں آتا تھا۔ اکبر نے بھی اسی طرح اپنے اوقات تقسیم کر رکھے تھے۔ ان دنوں میرزا سلیمان کی آمد کی اطلاع تھی، مرزا سلیمان صوفی منش، صاحب حال بادشاہ تھا، صاحب بیعت بھی تھا۔ لوگ اس کے ہاتھ پر مریدی کی بیعت کیا کرتے تھے۔ لہٰذا اکبر نے شوق عبادت اور کچھ آنے والے معزز مہمان کی خاطر شیخ عبداللہ نیازی کے حجرہ پر ایک بڑی عبادت گاہ تعمیر کروائی۔ عبداللہ نیازی شیخ الاسلام سلیم چشتی کے مرید تھے بعد میں مہدوی سلسلے [۶۸] سے وابستہ ہو

۶۸- سید محمد جونپوری نے مہدویت کا دعویٰ کیا تھا یا نہیں؟ یہ سوال کافی موضوع بحث رہا ہے۔ بعض کہتے ہیں انھوں نے صرف مہدی یعنی رہبر یا رہ نما ہونے کا دعویٰ کیا تھا نہ کہ "المھدی" کا، یعنی وہ خاص شخصیت جن کے متعلق مسلمہ اعتقاد ہے کہ قرب قیامت پر ان کا ظہور ہو گا۔ یہ بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے، لیکن ان کی وفات کے بعد کے پیروکاروں نے مہدویت کے عقیدے پر الگ سے ایک نیا مذہب اختراع کر لیا۔ آگے چل کر بعض اصول و عقائد پر مہدویت کو ماننے والوں میں دو گروہ پیدا ہو گئے۔ ایک "تسویت" کا قائل تھا اور دوسرا اس سے متفق نہیں تھا۔ تسویت سے مراد ختم نبوت میں سید محمد مہدی اور حضور ﷺ کا مساوی ہونا ہے۔ دوسرا اختلاف سید محمد مہدی کا انکار کرنے والوں کے ایمان و کفر سے متعلق تھا۔ ایک گروہ منکرین کو کافر کہنے سے احتراز کرتا تھا اور دوسرا مہدویت کا دارومدار ہی منکرین مہدی کو کافر قرار دینے پر رکھتا تھا۔ سید محمد نور بخش جونپوری سے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک روز انھیں "حال" آیا تو اس کیفیت میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص انھیں مخاطب کرتا ہے اور کہتا ہے "انت مہدی" یعنی تو مہدی ہے، انھوں نے سمجھا کہ شاید میں مہدی موعود ہوں۔ ایک عرصے تک اسی دعوے پر قائم رہے، آخر جب حج پر گئے تو راستے میں کشف ہوا کہ میں مہدی بالمعنی ہدایت یافتہ

گئے۔ اس عبادت گاہ کے چاروں طرف ایک وسیع ایوان اور نواب تلاؤ نامی حوض تیار کرایا گیا اور اس حجرے کو "عبادت خانہ" کا نام دیا جو بعد میں "عیادت خانہ" ہو گیا۔ اس کا معمول تھا کہ ہر جمعے کی نماز کے بعد شیخ الاسلام کی نئی خانقاہ سے اس عبادت خانہ میں آکر مجالس منعقد کرتا۔ ان محافل میں نام ور علما، مشائخ اور قریبی دوست شامل ہوتے، دوسرے لوگوں کو اس میں آنے کی اجازت نہیں تھی۔ اس محفل میں علمی مباحث اور مذاکرے ہوتے۔ اس عبادت خانے میں ہر جمعے کی رات بھی ایک محفل منعقد ہوتی جس میں سادات، مشائخ، علما اور امرا سبھی حاضر رہتے تھے۔ بادشاہ کے قریب نشست لینے کے لیے اکثر تقدیم و تاخیر کا جھگڑا ہو جاتا اس لیے اکبر نے باقاعدہ نشستوں کا تعین کر دیا۔ اور باری باری ہر ایک کی نشست گاہ پر جا کر ان کے مباحث میں حصہ لیتا۔[۶۹] فتح پور آنے کے بعد اکبر اپنا زیادہ وقت عبادت خانے میں علما کی محفل میں گزارتا۔ جمعے کی راتیں شب بیداری میں گزرتیں، دینی علوم اور اصل و فرع کی بحثیں جاری رہتیں۔ ان مجالس میں علما ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی غرض سے اس حد تک اختلاف میں آگے چلے جاتے کہ دوسروں کے لیے تکفیری کلمات بھی کہہ جاتے۔[۷۰]

اکبر کا اصول اعظم یہ تھا کہ نیکی ہر ایک مذہب میں ہے پس ہمیں چاہیے کہ نیکی اختیار کر لیں اور باقی ماندہ ترک کر دیں۔ اس کا اس بات پر بھی اعتقاد تھا کہ ہر ایک انسان میں کچھ نہ کچھ خوبی ہوتی ہے اس لیے وہ اکثر درگزر سے کام لیتا، جب تک اصلاح کی امید رہتی تھی سزا دینا پسند نہ کرتا۔ معاف کر کے بہت خوش ہوتا تھا اس کے طریقے

ہوں۔ پس اس دعوے سے باز آکر اپنے ہم راہیوں اور مریدوں کو اس اعتقاد سے پھیر دیا اور ارادہ کیا کہ واپسی پر باقی مریدوں کو بھی اس اعتقاد سے باز رکھوں گا۔ لیکن راستے ہی میں وفات ہو گئی۔ آپ کے ساتھیوں نے واپس آکر یہ خبر دوسروں تک پہنچائی، ان میں سے کچھ نے یہ عقیدہ ترک کر دیا اور کچھ پہلے اعتقاد پر قائم رہے۔ مہدویوں کے عقیدے کے لحاظ سے فرائض کی تعداد تیس ہے۔ ان میں سے بیس اعتقادی فرائض ہیں جن کے متعلق ان کا کہنا ہے کہ ان میں کسی کو اختلاف نہیں۔ دس فرائض نفلی ہیں جن میں ان کا باہم اختلاف ہے۔ ان دس فرائض میں سے عشر، تسویت، نوبت، محبت، اجماع اور محبت صادقین پر اختلافی رسائل لکھے جاتے رہے ہیں۔ کسی وقت مہدوی فرقہ ایک تحریکی اور تبلیغی فرقہ تھا لیکن اب ایک عرصے سے اس کی حیثیت بس ایک قوم اور قبیلے کی رہ گئی ہے۔ تاریخی شواہد ایسے ہیں جن سے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ سید محمد جونپوری کی جدوجہد ایک اسلامی تحریک تھی جو ہندوستان میں سیاسی قوت کے ذریعے اسلامی نظام کے لیے میدان ہم وار کر رہی تھی۔ بعد میں تحریکی روح ختم ہو گئی اور ان کے پیروکار دور از کار عقائد کی الجھنوں میں گرفتار ہو کر رہ گئے۔ (بدایونی، **منتخب التواریخ**، ۱: ۲۷۲۔)

۶۹۔ نظام الدین، مصدرِ سابق، ۲: ۳۳۰۔

۷۰۔ بدایونی، مصدرِ سابق، ۲: ۴۶۵۔

کا ایک بڑا اصول یہ تھا کہ "گنہگار سے کہنا کہ اب تو چلا جا پھر گناہ نہ کرنا۔"[۷۱] ہندوستان کے معروف عالم دین مولانا سید حسین احمد مدنی (م۱۹۵۷) اکبری دور کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

محمود غزنوی کا زمانہ آیا ہے تو ہندوؤں میں مختلف احوال کی وجہ سے اشتعال پیدا ہوتا ہے اور پھر برہمنی مذہب سارے ملک میں پھیل جاتا ہے۔ برہمن چوں کہ دیکھ رہے تھے کہ اسلام کا سیلاب اختلاط کی بنا پر ان کے مذہب کو مٹا رہا ہے اس لیے انھوں نے عوام میں نفرت کا پروپیگنڈہ پھیلایا اور مسلمانوں کو ملیچھ کا خطاب دیا۔ اکبر نے اس تفریقی خیال اور اس عقیدے کو جڑ سے اکھاڑنا چاہا۔ اگر اکبر کی جاری کردہ پالیسی جاری رہنے پاتی تو برہمنوں کی یہ چال ضرور مدفون ہو جاتی اور اسلام کے دل دادہ آج ہندوستان میں اکثریت میں ہوتے۔ اکبر نے عام ہندو ذہنیت اور منافرت کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا تھا۔ اکبر نے (اپنی کم علمی کے باعث) نفس دین اسلام میں بھی کچھ غلطیاں کیں جن سے مسلم طبقے میں اس سے بد ظنی ہوئی اگرچہ بہت سے بد ظنی کرنے والے غافل اور کم سمجھ تھے۔ جیسا کہ معلوم ہے صلح حدیبیہ ہی فتح مکہ اور فتح عرب کا پیش خیمہ ہے۔ جس روز صلح حدیبیہ تمام کو پہنچی ہے اسی روز ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾[۷۲] کی آیت نازل ہوئی آپس میں اختلاط کا ہونا، نفرت میں کمی آنا، مسلمانوں کے اخلاق اور ان کی تعلیمات کا معائنہ کرنا، دلوں سے ہٹ اور ضد کا اٹھ جانا، یہی امور تھے جنھوں نے قریش کو کھینچ کھینچ کر صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان بناتے ہوئے مکہ سے مدینہ پہنچا دیا۔ الغرض اختلاط باعث عدم تنافر ہے اور وہ اقوام کو اسلام کی طرف لانے والا ہے اور تنافر باعث ضد اور عدم اطلاع علی المحاسن (خوبیوں سے ناواقفیت) ہے اور وہ اسلامی ترقی میں سدراہ ہونے والا ہے۔ چوں کہ اسلام تبلیغی مذہب ہے اس لیے اس کا فریضہ ہے کہ جس قدر ہو سکے غیر کو اپنے میں شامل کرے، نہ یہ کہ ان کو دور کرے۔ اس لیے اگر ہمسایہ قومیں ہم سے نفرت کریں تو ہمیں ان کے ساتھ نفرت نہ کرنا چاہیے، اگر وہ ہمیں نجس اور ملیچھ کہیں تو ہمیں انھیں یہ نہیں کہنا چاہیے، اگر وہ ہم سے چھوت چھات کریں تو ہمیں ان سے ایسا نہیں کرنا چاہیے، وہ ہم سے ظالمانہ برتاؤ کریں تو ہمیں ان کے ساتھ ظالمانہ اور غیر منصفانہ برتاؤ نہیں کرنا چاہیے۔[۷۳]

اکبر کو مسیحی اور جینی علماء کی نسبت ہندو دانش وروں سے میل جول کے زیادہ مواقع حاصل تھے۔ عبدالقادر بدایونی کے مطابق اکبر جوانی ہی سے ہندوؤں کی طرف مائل تھا۔ شاہی حرم کی ہندو رانیوں اور دربار کے ہندو امرا نے بھی اکبر کو ہندو عقائد سے متعارف کروانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اس سلسلے میں خاص طور پر مہیش

۷۱- کرنل میلن، **شہنشاہ اکبر، رولرز آف انڈیا سیریز**، مترجم: لالہ شودیال (کراچی: سٹی بک پوائنٹ، اردو بازار، ۲۰۰۶ء)، ۱۵۹۔

۷۲- القرآن، ۴۸:۱

۷۳- سید حسین احمد مدنی، **مکتوبات شیخ الاسلام**، مرتب: مولانا نجم الدین اصلاحی (اعظم گڑھ: معارف، ۱۹۵۲ء)، حصہ اول، مکتوب نمبر ۶۳، ۱۴۱۔

داس بیر بر کا ذکر ملتا ہے۔ جس کا نام اکبر کے ساتھ ایسے آتا ہے جیسے سکندر کے ساتھ ارسطو[۷۴] کا نام۔[۷۵] مہیش داس بیر بر کے علاوہ دیوی برہمن اور پرکھوتم جیسے ہندو دانش وروں کا ذکر بھی مؤرخین نے کیا ہے جو اکبر کو ہندو فلسفہ اور مذہب کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ یہ بات بھی مشہور ہے کہ اکبر رات میں اپنے کچھ خاص آدمیوں کے ساتھ جوگیوں کے پاس جایا کرتا تھا اور ان سے حقیقت، معرفت، اعتقادات، مراقبہ اور سلوک وغیرہ سیکھا کرتا تھا۔ بعض برہمنوں نے اکبر کو رام اور کرشن کی طرح پرمیشور کا اوتار قرار دیا تھا۔[۷۶]

اکبر کے جن اقدامات کی مخالفت کی گئی وہ ۱۵۷۵ء کے بعد وقوع پذیر ہوئے، ان قواعد واحکام کو دین الٰہی کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کی بنیاد عبادت خانہ کی اختلافی بحثوں پر رکھی گئی؛ کیوں کہ ۱۵۷۹ء کے محضر نامہ میں بعض حالات میں حاکم وقت کو اختلافی امور میں فیصلہ کن رائے کا اختیار دے دیا گیا تھا۔ اکبر جو زیادہ سے زیادہ اختیارات اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا، دنیوی حکومت کے ساتھ ساتھ دینی راہ نمائی بھی کرنا شروع کر دی اور یوں مریدین کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان قواعد کے طریقے مختلف مذاہب سے جمع کیے گئے تھے اور انھیں بعد کے بعض مؤرخین نے دین الٰہی کا نام دیا۔[۷۷]

اکبر بادشاہ کا تذکرہ کرتے ہوئے جہانگیر لکھتا ہے کہ میرے والد بزرگوار اکثر ہر دین و مذہب کے علما خاص کر پنڈتوں اور ہندو مذہبی پیشواؤں کے ساتھ محبت کرتے تھے۔[۷۸] تزک جہانگیری میں جہانگیر نے ہندوؤں کے تہوار راکھی[۷۹] کی تفصیل دی ہوئی ہے کہ اکبر بادشاہ کے زمانے میں بھی ہندو اکبر کی کلائی پر راکھی باندھتے تھے لیکن کچھ عرصے بعد اکبر نے اس رسم کو اپنے لیے بند کروا دیا اور برہمن اپنے طریقے کے مطابق اسے منانے لگے۔

۷۴۔ سکندر اعظم، فاتح عالم اس کا اتالیق ارسطو تھا۔ ارسطو چوتھی صدی قبل مسیح کا یونانی فلسفی تھا جو معلم اول کہلاتا ہے۔ (**اردو دائرہ معارف اسلامیہ** (لاہور: دانش گاہ پنجاب، ۱۹۷۱ء)، ۲: ۳۷۷، ۶۴۷۔)

۷۵۔ آزاد، **دربار اکبری**، ۳۶۴۔

۷۶۔ بدایونی، **منتخب التواریخ**، ۲: ۴۶۷۔

۷۷۔ اکرام، **رود کوثر**، ۸۷۔

۷۸۔ جہانگیر، **تزک جہانگیری**، ۵۷۔

۷۹۔ ہاتھ رکھشا یعنی محافظت کرنے والی ڈوری، ہندوؤں کے ہاں یہ رنگین ڈوری سلونو کے تہوار (ساون کے مہینہ میں) میں بہنیں بھائی کی کلائی پر باندھتی ہیں اور ان کی صحت، عمر درازی اور کام یابیوں کے لیے دعا کرتی ہیں۔ (مولوی فیروز الدین، **فیروز اللغات** (لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ، ۲۰۱۰ء)، ۶۹۹۔)

جہانگیر نے ایک سال تو ہندوؤں کا جوش و خروش دیکھتے ہوئے خود کو راکھی بندھوالی لیکن آئندہ سال کے لیے یہ ممانعت کر دی کہ صرف برہمن اپنے پرانے رسم و رواج کے مطابق ڈوروں اور دھاگوں سے ایک دوسرے کی راکھی باندھا کریں۔[۸۰] اکبر ہندوؤں کے دیوی دیوتاؤں کے دن بڑے اہتمام سے مناتا۔ وہ لاتاں والی مائی کا بڑا مداح تھا اور ایک دفعہ اس کے زیارت کے لیے کانگڑھ بھی گیا۔[۸۱] اکبر کو ہندو جوگیوں سے بڑی عقیدت تھی اس نے آگرہ میں جوگی پورہ کے نام سے ایک بستی تعمیر کرائی۔[۸۲] ہندو مذہب کی طرف جھکاؤ سے ہندو برہمن فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی کتاب سے پرانی پوتھیاں نکال کر اس کے پاس لے آتے اور اسے بتاتے کہ ان میں درج ہے کہ ہندوستان میں ایک ایسا عادل بادشاہ ہو گا جو گائے کا احترام اور برہمن کی عزت کرے گا۔[۸۳] اکبر کا غیر مسلم رعایا کی دل جوئی کے اقدامات مذہبی تکثیریت کے دائرے میں آتے ہیں اگرچہ مذہبی تہواروں میں شرکت کسی طور مذہبی تکثیریت کا لازمی حصہ نہیں۔

دیہات کے لوگوں میں یعنی آبادی کی اکثریت میں اس سے زیادہ مشترک زندگی پائی جاتی تھی۔ گاؤں کے محدود حلقے میں ہندو مسلمان میں بہت گہرے تعلقات ہوتے تھے، ذاتیں اس معاملے میں کچھ رکاوٹ پیدا نہیں کر سکیں۔ ہندو مسلمانوں کو بس ایک خاص ذات سمجھتے تھے۔ بہت سے مسلمان نو مسلم ہوتے تھے اور ان کے رسم و رواج وہی پرانے تھے۔ اسی طریقے پر زندگی بسر کرتے تھے، ویسا ہی لباس پہنتے تھے اور وہی زبان بولتے تھے ایک دوسرے کے تہواروں میں شریک ہوتے تھے اور بعض نیم مذہبی تہور ایسے بھی تھے جو دونوں میں مشترک تھے (مثلاً بسنت[۸۴] وغیرہ)۔ ان کے گھریلو گیت بھی ایک ہی سے تھے زیادہ تر یہ لوگ کسان تھے یا پیشہ ور یا

۸۰- جہانگیر، مصدرِ سابق، ۱۴۰۔

۸۱- محمد اسلم، **دین الٰہی اور اس کا پس منظر**، ۱۱۹۔

۸۲- دہلوی، **تاریخ ہندوستان**، ۵: ۱۰۱۱۔

۸۳- بدایونی، مصدرِ سابق، ۲: ۵۱۲۔

۸۴- بسنت کا یہ تہوار ہندوستان اور پاکستان دونوں طرف کی پنجاب ریاستوں میں مقبول ہے۔ یہ تہوار تاریخی طور پر راجا رنجیت سنگھ کے دور میں بہار کا خیر مقدم کرنے کے لیے منایا جاتا تھا، تہوار کی تقریبات پر مذہبی رنگ غالب تھا۔ بسنت میلے میں خواتین اور بچے پیلے رنگ کے کپڑوں میں ملبوس ہو کر بڑی تعداد میں شرکت کرتے ہیں۔ پنجاب کے شہر امرتسر اور اتر پردیش کے شہر آگرہ کے میلے کافی مشہور ہیں۔ اس موقع پر سرسوتی دیوی کی پوجا کی جاتی ہے۔ اس موقع پر پتنگ بازی کا بھی اہتمام ہوتا ہے۔

دست کار۔[۸۵] ہندو اور مسلمان دونوں ایک دوسرے کے تہواروں میں دل چسپی لیتے تھے۔ مذہبی رواداری کا یہ عالم تھا کہ خود شاہان مغلیہ ہولی[۸۶] اور دسہرا[۸۷] کا تہوار مناتے تھے۔[۸۸] ہندوستان کے بڑے بڑے راجاؤں کی بیٹیاں چوں کہ اکبر کی بیویاں تھیں لہٰذا ان کی دل جوئی کی خاطر اکبر نے ان تمام باتوں کو ترک کر دیا جنھیں ہندو ناپسند کرتے تھے۔ چوں کہ ہندو گائے کی تعظیم کرتے تھے اس لیے گائے کے ذبیحہ پر بھی پابندی لگادی۔[۸۹]

اکبری دور میں مذہبی تکثیریت کے نمایاں مظاہر درج ذیل تھے:

۱- مذہبی آزادی

اکبر نے ایک فرمان کے ذریعے مذہب تبدیل کرنے کی اجازت دے دی۔ اور یہ اجازت اس نے اپنے پیش رو سلطان زین العابدین (۱۴۲۰ء- ۱۴۷۰ء) کی طرح نص قرآنی کی روشنی میں دی تھی کہ ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾[۹۰] (مذہب کے معاملے میں کوئی زبردستی نہ کرو) لیکن علمائے اسلام کے ہاں دین اسلام سے انحراف کر کے کسی اور مذہب کے قبول کرنے کو ارتداد کہا جاتا ہے جو ایک سنگین جرم تصور ہوتا ہے۔

اکبر نے یہ فرمان جاری کیا کہ وہ ہندو جو بچپن میں جبری مسلمان بنالیے گئے ہوں انھیں اختیار ہوگا کہ اگر چاہیں تو دوبارہ اپنے آبائی مذہب کو اختیار کر لیں۔ تبدیلی مذہب پر کوئی پابندی نہ لگائی جائے جو فرد جس مذہب کو

۸۵- نہرو، **تلاش ہند**، ۳۴۷۔

۸۶- ہندوؤں کا یہ تہوار موسم بہار میں منایا جاتا ہے، ہندو ایک دوسرے پر رنگ چھڑک کر خوشی مناتے ہیں (فیروز الدین، **فیروز اللغات**، ۱۴۵۷)۔ دو روز کے ہولی کے تہوار کو ہندو برادری کے افراد ہر سال فروری اور مارچ کے درمیان کی تاریخوں میں مناتے ہیں۔ ہندو کیلنڈر کے مطابق چاند کے مکمل ہونے پر اس تہوار کا آغاز کیا جاتا ہے۔ تہوار کا آغاز ایک رات قبل آگ جلا کر کیا جاتا ہے۔ ہندو برادری کا یہ ماننا ہے کہ وہ اس آگ میں اپنی تمام تر برائیوں کو جلا کر ختم کرتے ہیں۔ اگلے روز موسم بہار کی آمد اور نئی فصل کے آنے کی خوشی میں ہولی کا تہوار منایا جاتا ہے اور رنگوں سے کھیلا جاتا ہے۔ ہولی کے لیے استعمال کیا جانے والا رنگ دار پاؤڈر مختلف مصالحہ جات مثلاً ہلدی اور زعفران وغیرہ کے پھولوں اور کلیوں سے تیار کیا جاتا ہے۔

۸۷- ہندوؤں کا یہ تہوار اسوج کی دسویں تاریخ کو راجہ رام چندر جی کے راون پر فتح پانے کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ (فیروز الدین، **فیروز اللغات**، ۶۲۸۔) بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ قدیم زمانے میں یہ موسمی تہوار تھا، کیوں کہ اس روز دن اور رات برابر ہو جاتے ہیں اور موسم اعتدال پر آجاتا ہے۔ پھر اس تہوار پر مذہبی رنگ چڑھ گیا۔

۸۸- خلیق احمد نظامی، **تاریخ مشائخ چشت** (اسلام آباد: دار المؤلفین، س ن)، ۳۵۱۔

۸۹- بدایونی، **منتخب التواریخ**، ۲: ۴۹۸۔

۹۰- القرآن، ۲:۲۵۶۔

چاہے، اختیار کر سکتا ہے۔ اگر کوئی ہندو عورت کسی مسلمان مرد کے لیے مسلمان ہو جائے تو اسے زبردستی اس کے گھر والوں کے سپرد کر دیا جائے۔[۹۱] یہ فیصلہ مذہبی نقطۂ نظر کے ساتھ ساتھ انسانی حوالے سے بھی اپنے اندر جواز نہیں رکھتا۔

اکبر کے دل میں قومی و مذہبی اختلاف بالکل نہیں تھا، اس لیے ہندو لوگ جو یہ مانتے ہیں کہ پرمیشر اپنے بندوں کے فائدے کے لیے اوتار دھارا کرتا ہے تو ضرور اکبر کے سلوک کو دیکھ کر سمجھتے ہوں گے کہ یہ معمولی آدمیوں سے بڑھ کر ہے۔ اس میں اوصاف الٰہی کس قدر موجود ہیں اور یہ رحم مجسم ہے۔ اکبر غیر مذہب والوں کو پوری پوری آزادی دیتا تھا اور جب ایک مرتبہ کسی فرد پر اعتبار کر لیتا تو پھر اس کی طرف سے بدگمان نہ ہوتا تھا۔ اس نے لوگوں کے ساتھ برتاؤ کے اصول اس قدر وسیع اور فیض رساں رکھے تھے کہ گو ہندوؤں کا مذہب، ان کی روز مرہ کی باتیں اور ان کے پیدائشی توہمات ان اصولوں کے برخلاف تھے لیکن پھر بھی ان پر اس بادشاہ کے خیالات نے کافی اثر کیا۔ اگرچہ ان لوگوں نے یہ تعلیم پائی تھی کہ ہندوؤں کے سوا اور تمام آدمی ناپاک ہیں لیکن جب اکبر نے اپنے فیاضانہ سلوک کے بدلے ہندوؤں سے اس پرانے خیال کو چھوڑنے کی درخواست کی، کیوں کہ یہ اصول بادشاہ کے اصول کے برخلاف تھا تو ایک راجا کے سوا سب نے اس کا کہنا مان لیا۔ باقی ہندو اس بات کو سمجھ گئے تھے کہ اس اصول کو محدود نہیں رکھنا چاہیے اور اپنے تنگ مذہب کے اس مسئلے کو چھوڑنے سے جس کی رو سے غیر قوم میں شادی کرنا منع ہے یہ انتظام ضرور مضبوط ہو جائے گا جس کی وجہ سے ملک میں امن و خوش حالی پھیلی ہوئی ہے اور خود ان کی قدر و منزلت ہو رہی ہے۔[۹۲] اکبر نے غیر مسلموں کو مغلیہ سلطنت میں پوری طرح سمونے کے لیے بڑی کوشش کی، راجپوتوں کی فتح اس کی بڑی مثال تھی۔ ان کے علاقے فتح کرنے کے بعد اس نے اس وقت کے ہندوؤں کو زبردستی مسلمان بنانے کی کوشش نہیں کی بلکہ ان کے مذہب کو اپنے سماج میں برابر جگہ دی۔ ان کو سر عام عبادت کی اجازت دی۔ ان کو اپنے مندروں کی مرمت کرنے اور نئے مندر تعمیر کرنے کی آزادی دی۔ اکبر نے تمام غیر مسلموں کو مکمل مذہبی آزادی دی، ہندوؤں کو اس سے قبل بغیر اجازت مندر تعمیر کرنے کی اجازت نہیں تھی اکبر نے ہندوؤں کو بغیر اجازت مندر تعمیر کرنے کی اجازت دے دی۔۔[۹۳] اکبر نے یہ فرمان جاری کیا کہ بت خانہ،

۹۱– بدایونی، **منتخب التواریخ** ۲: ۵۵۲۔

۹۲ – میلن، **شہنشاہ اکبر**، ۱۰۷۔

93– Srī Rām Sharma, *Religious Policy of the Mughal Emperors* (Lahore: Sheikh Mubārak Alī and Sons, 1975), 125.

آتش کدہ غرض کسی بھی عبادت گاہ کی تعمیر میں غیر مسلموں پر کوئی پابندی نہ لگائی جائے۔[۹۴]

اکبر کی اس پالیسی کی مخالفت دو طبقوں کی جانب سے کی گئی ایک علما اور دوسرے مسلمان امرا، مرزا عزیز (اکبر کا رضاعی بھائی) جو اکبر سے ناراض ہو کر حج کرنے کے لیے چلا گیا، وہاں سے اس نے اکبر کو لکھا کہ اس نے چوں کہ ہندوؤں کو دربار میں مناصب سے نوازا ہے اس لیے تاریخ میں یہ بات اس کے لیے بدنامی کا باعث بنے گی۔[۹۵] اکبر نے عوام کو مکمل مذہبی آزادی دے دی۔ ان باتوں سے غیر مسلم رعایا بہت خوش ہوئی دوسری طرف اکبر نے آہستہ آہستہ بہت سی ہندووانہ رسوم کو رواج دیا۔ گائے کے گوشت کے محل میں آنے پر پابندی لگ گئی اور آگے چل کر اعلانیہ طور پر گاؤکشی کی ممانعت کر دی۔[۹۶] یہ وہی بات تھی جس کی اکبر کے جد امجد بابر نے اپنے بیٹے ہمایوں کو وصیت[۹۷] کی تھی۔[۹۸]

۲- مذہبی ٹیکسوں کا خاتمہ

۱۵۵۶ء میں یعنی اپنی بادشاہت کے پہلے سال ہی جزیہ کی معافی کا خیال آیا، لیکن اسے معاف کرنے کا حکم جاری نہ ہو سکا۔ ۱۵۶۴ء میں پھر اس مسئلے پر بحث ہوئی۔ علما کا کہنا تھا کہ شریعت اسلام کا حکم ہے ضرور لینا چاہیے چناں چہ کہیں اس پر عمل ہوا اور کہیں نہ ہوا۔ ۱۵۷۸ء میں اکبر نے اسے سنجیدگی سے عملی جامہ پہنانے کی کوشش

۹۴- بدایونی، **منتخب التواریخ**، ۲: ۵۵۲۔

۹۵ - اکرام، **رود کوثر**، ۱۵۲۔

۹۶- آزاد، **دربار اکبری**، ۷۴۔

۹۷- بابر کی ہمایوں کو وصیت درج ذیل تھی:۔ ۱- مذہبی تعصب کو اپنے دل میں ہرگز جگہ نہ دینا، لوگوں کے مذہبی جذبات و مذہبی رسومات کا خیال رکھتے ہوئے کسی رعایت کے بغیر سب لوگوں کے ساتھ پورا انصاف کرنا۔ ۲- گاؤکشی سے بالخصوص پرہیز کرنا تاکہ اس سے تمھیں لوگوں کے دل میں جگہ مل جائے اور اس طرح وہ احسان اور شکریے کے جذبات رکھتے ہوئے تمھارے مطیع ہو جائیں گے۔ ۳- تمھیں کسی قوم کی عبادت گاہ نہیں گرانا چاہیے اور ہمیشہ سب سے پورا انصاف کرنا چاہیے تا کہ بادشاہ اور عوام کے تعلقات اچھے رہیں اور ملک میں امن و امان رہے۔ ۴-اسلام کی اشاعت ظلم و ستم کے مقابلے میں لطف و احسان کی تلوار سے بہتر ہو سکے گی۔ ۵-سنّی شیعہ اختلافات کو ہمیشہ نظر انداز کرتے رہنا، کیوں کہ ان اختلافات سے اسلام کے کم زور ہونے کا خدشہ ہے۔ ۶- اپنے عوام کی مختلف خصوصیات کو سال کے مختلف موسم سمجھو تاکہ حکومت بیماری اور کم زوری سے محفوظ رہ سکے۔ (اکرام، **رود کوثر**، ۲۳)

98– Jagdish Narayan Sarkar, *Mughal Polity* (Delhi: Idarah-i-Adabiyat-i Delhi, 2009), 390.

کی اور کہا کہ پہلے ادوار میں یہ امر اس لیے تجویز ہوا تھا کہ ان لوگوں نے اپنے مخالفین کی قتل وغارت کو مصلحت سمجھا تھا۔ چناں چہ اس نظریے سے کہ ظاہری انتقام قائم رہے، جو ہاتھ کے نیچے ہیں وہ دبے رہیں اور جو باہر ہیں ان پر دباؤ پہنچے۔ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ان سے جو روپیہ لیا اس کا نام جزیہ رکھا۔ اکبری دور میں اکبر کی خیر اندیشی اور کرم بخشی سے غیر مسلم لوگ ہر وقت کمر باندھ کر جان دینے کے لیے تیار رہتے تھے اس لیے اکبر نے یہ بات غیر مناسب سمجھی کہ انھیں مخالف سمجھ کر بے عزت کیا جائے اور جاں نثاروں کو مخالف سمجھا جائے۔ اکبر کے مطابق پہلے ادوار میں جزیہ لینے کی اصل وجہ یہ تھی کہ سلطنتوں کے منتظم اسباب دنیوی کے محتاج تھے، اس ذریعے سے معاش میں وسعت پیدا کرتے تھے۔ اکبری دور میں چوں کہ زر نقد اور خزانہ کافی تعداد میں تھا اس لیے اس نے جزیہ معاف کر دیا تا کہ عوام اس سے خوش رہے۔ اگرچہ یہ ٹیکس بہت کم تھا لیکن اکبر کا یہ حکم جاری ہوتے ہی ہندو شکر گزار ہوئے۔ اس ذرا سی بات نے لوگوں کے دل موہ لیے، یہ بات ہزاروں خون بہانے سے حاصل نہ ہوتی۔[۹۹] بدایونی کے مطابق اکبر نے ۱۵۷۸ میں جزیہ اور چنگی کا محصول معاف کر دیا جس کا محاصل کئی کروڑ روپیہ ہوتا تھا۔[۱۰۰] دنیا بھر میں ہندوؤں سے زیادہ کوئی قوم تیرتھ (زیارت) کرنے والی نہیں ہر ایک صوبے میں ان کے معبد بکثرت ہیں اور ہر ایک کا اپنا اپنا دیوتا ہے۔ اکثر جاتریوں کو بڑے لمبے سفر کرنا پڑتے ہیں؛ کیوں کہ ان کے خیال میں جتنا دور کا سفر ہو اتنا ہی بڑا پھل ہوتا ہے۔ اکبر سے پہلے افغان بادشاہوں نے ہر ایک فرد کی آمدنی کے مطابق محصول لگایا ہوا تھا۔ ابوالفضل کے بیان کے مطابق اس ٹیکس سے بڑی آمدنی ہوا کرتی تھی لیکن ہندو عوام اسے ظلم سمجھتے تھے کیوں کہ ہندوؤں کی نظروں میں تیرتھ کرنا از روے دھرم ایک بڑا فرض سمجھا جاتا تھا۔ اکبر تک ہندو عوام کی جب یہ شکایت پہنچی تو اس نے اس محصول کو بند کرا دیا کیوں کہ اس نے سوچا کہ ہر چند تیرتھ کرنا ہندو دھرم کا ایک تاکیدی حکم ہے اور ایک طرح خدا تعالیٰ کی عبادت کرنے کا ہندوؤں کا یہ طریق ہے جسے وہ ایک مذہبی حکم سمجھتے ہیں اس لیے اس کی اطاعت میں ذرا بھی رکاوٹ ڈالنا جائز نہیں چناں چہ اس نے یہ محصول معاف کر دیا۔[۱۰۱] اکبر کے ٹیکس معاف کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کی سلطنت کافی وسیع تھی جس سے اسے کافی آمدنی حاصل ہوتی تھی اس لیے ہو سکتا ہے کہ اس نے ہندو امرا کو خوش کرنے کے لیے یہ ٹیکس معاف کر دیا ہو۔ اس قسم کی ٹیکس

۹۹- آزاد، مرجع سابق، ۱۲۱۔

۱۰۰- بدایونی، مصدرِ سابق، ۲ : ۴۸۱۔

۱۰۱- میلن، مرجع سابق، ۱۴۰۔

معافی،[۱۰۲] حکومت وقت کی صواب دید میں آتے ہیں اس سے دین اسلام کی تعلیمات متاثر نہیں ہوتیں۔

اکبر نے غیر مسلموں کو حکومتی ایوانوں میں جگہ دی اب اقتدار صرف ایک طبقے تک محدود نہیں تھا بلکہ اس میں ہندوستان کے لوگ بھی مذہبی بنیاد کی تقسیم کے بغیر شریک تھے۔ اس سے ہندوستان کے لوگوں میں یہ احساس پیدا ہوا کہ مغل حکومت مسلمانوں اور ہندوؤں کی مشترکہ حکومت ہے۔ اس ہم آہنگی کے نتیجہ میں دربار میں ہندو و مسلم ثقافت میں یک جہتی پیدا ہوئی۔ ایک دوسرے کے تہوار اہتمام سے منائے جاتے، علمی و ادبی میدانوں میں سنسکرت و فارسی ادب کے تراجم ہوئے جس سے ایک دوسرے کے خیالات کو سمجھنے میں مدد ملی۔ ان اقدامات سے پورے معاشرے میں رواداری کی فضا قائم ہوئی۔

جزیہ کی موقوفی اکبر کی آزاد روی اور تمام شہریوں کے لیے قانونی مساوات کی حکمت عملی سے ہم آہنگ تھی لیکن اس کا بھی امکان ہے کہ اکبر کے اس فیصلے کو فتح اللہ شیرازی (م ۱۵۸۸ء)[۱۰۳] جیسے فقہا کی تائید حاصل ہو جو تاریخ اسلام اور فقہ میں اس قسم کے نظائر سے باخبر ہوں جن میں غیر مسلموں کو جزیہ سے اس لیے مستثنیٰ کیا گیا کہ وہ اسلامی سلطنت میں عسکری اور معاشرتی خدمات انجام دے رہے ہوں۔[۱۰۴] جزیہ کی موقوفی کے نتیجہ میں مساوی شہریت کے تصور نے جنم لیا جو تکثیریت کو قبول کرنے کا لازمی تقاضا ہے۔

۱۰۲- محمد بن قاسم نے جب سندھ ۷۱۲ھ میں فتح کیا تو حتی الوسع پرانے نظام کو تبدیل نہ کیا۔ بہ قول ڈاکٹر تاراچند کہ مسلمان فاتح نے مفتوحوں کے ساتھ عقل مندی اور فیاضی کا ثبوت دیا۔ مال گزاری کا پرانا نظام قائم رہنے دیا اور قدیمی ملازموں کو برقرار رکھا۔ ہندو پجاریوں اور برہمنوں کو اپنے مندروں میں پرستش کی اجازت دی اور ان پر فقط ایک خفیف سا محصول عائد کیا جو آمدنی کے مطابق ادا کرنا پڑتا تھا۔ زمینداروں کو اجازت دی گئی کہ وہ برہمنوں اور مندروں کو قدیم ٹیکس دیتے رہیں۔ (اکرام، **آب کوثر**، بحوالہ تاراچند، **تمدن ہند پر اسلامی اثرات**، ۲۵۔) برہمن اس جزیے سے اس بنا پر مستثنیٰ تھے کہ ان کا تقرر محصلین کے طور پر کر دیا گیا تھا جو عوام کو یہ مشورہ دیتے تھے کہ وہ یا تو مسلمانوں کے انتظامی قانون کو تسلیم کر لیں اور محصول ادا کریں یا پھر وہ ہندوستان کے ان علاقوں میں چلے جائیں جہاں ہندوؤں کی حکومت ہو۔ (عزیز احمد، **برصغیر میں اسلامی کلچر**، بحوالہ چچ نامہ انگریزی، ۱۶۳۔)

۱۰۳- اکبری دور کے سب سے بڑے فلسفی تھے۔ ۱۵۸۲ء میں دکن سے اکبر کی ملازمت اختیار کی۔ آپ اکبر کے وزیروں کے ساتھ حکام کے معاملات اور دیوانی کاموں کی جانچ پڑتال کرتے۔ عضد الدولہ کا خطاب ملا۔ علوم عقلی و نقلی میں خراسان، عراق اور ہندوستان کے علما میں ممتاز تھے۔ (نظام الدین، **طبقات اکبری**، ۲: ۴۸۳۔)

۱۰۴- عزیز احمد، مرجع سابق، ۱۱۸۔

۳- آئین راہ نمونی

عام طور پر اکبر کی شخصیت اور اس کے مذہبی خیالات کو اس دور میں موجود نظریاتی قوتوں سے الگ کر کے دیکھا جاتا ہے۔ سوچنے کا یہ انداز اکبر کو سمجھنے میں مشکل پیدا کر دیتا ہے حالاں کہ اکبر اپنے دور کی نظریاتی، مذہبی اور سماجی قوتوں کا منطقی نتیجہ تھا۔ مولانا عبید اللہ سندھی (م ۱۹۴۴) اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ ہندوستان کا یہ تاریخی دور ایک ایسے نظام کا تقاضا کرتا تھا جو ہندوؤں، ہندوستانی مسلمانوں اور مغلوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کرتا۔ اس وقت جس طرح ہندوؤں اور مسلمانوں کے میل ملاپ سے ایک متحدہ کلچر بن رہا تھا اور ایک مشترک زبان کی بنیاد پڑ رہی تھی۔ نیز ہندوؤں میں بھگت کبیر اور گورو نانک ایسے مصلح پیدا ہو رہے تھے، جو دونوں قوموں، دونوں تمدنوں اور دونوں مذاہب کو ایک دوسرے سے قریب لانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس طرح سلطنت اور سیاست میں بھی ایک ایسے نظام کی ضرورت تھی جو دونوں قوموں میں مشترک ہوتا۔[۱۰۵] اکبر نے عوام کو تابع رکھنے کے لیے ۱۵۸۱ء میں ایک مذہبی ضابطے کا اعلان کیا اور علما سے اس کا فتویٰ لے لیا اور خود ﴿أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ [۱۰۶] کی تعبیر کرتے ہوئے بادشاہ، صاحب اجتہاد بن گیا، اور اس اجتہاد کے تحت ہر مذہب کے لوگ بادشاہ کے مرید بننے لگے، مال دار مسلمان بھی اس میں شامل ہونے لگے۔ ان کو دیکھتے ہوئے بڑے بڑے راجہ بھی اکبر کے مسلک میں داخل ہو گئے اور جو اجنبیت مسلمانوں کی ہندوؤں کے ساتھ تھی وہ یوں ختم ہو گئی عام طور پر اس کو دین الٰہی کہا جاتا ہے۔ دین الٰہی اکبر شاہی مذہب وہ نہ تھا جس کو مؤرخین یورپ نے آفتاب پرستی کے برابر قرار دیا ہے، ملکی مصلحت کے پیش نظر اکبر نے یہ نظام قائم کیا تھا۔ سجاد میرٹھی وغیرہ کی راے میں اصل میں دین الٰہی سیاسی کھیل تھا۔[۱۰۷]

اکبر کی مذہبی پالیسی کے بارے میں "دین الٰہی" کا لفظ اکبر کے بعد استعمال ہونا شروع ہوا۔ ابوالفضل نے اسے "آئین راہ نمونی" لکھا ہے یعنی ایسا آئین جس کا مقصد ریاست کے رہ نما اصول واضح کرنا تھا۔ جس کے ذریعہ

۱۰۵- محمد سرور، **مولانا عبید اللہ سندھی** (لاہور: سندھ ساگر اکادمی، ۲۰۱۸ء)، ۲۲۵۔

۱۰۶- القرآن، ۴: ۵۹۔

۱۰۷- مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی، مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی، **تاریخ ملت** (لاہور: ادارہ اسلامیات، انارکلی، ۱۹۹۱ء)، ۳: ۶۷۷۔

اختلافات کو مٹا کر باہمی دوستی و ملاپ کی کوشش کی گئی۔[۱۰۸] آئین راہ نمونی یعنی ہدایت کے اصول، کے خاص خاص اصول یہ تھے:[۱۰۹]

۱– سب مذاہب ایک نور کی کرنیں ہیں لہٰذا دوسرے مذاہب کی مخالفت نہیں کی جائے گی۔

۲– کسی کا مذہب زبردستی تبدیل نہیں کیا جائے گا۔

۳– زندہ مخلوق کو پریشان نہیں کریں گے۔

۴– تقلید سے پرہیز کیا جائے گا۔

۵– مذہبی رسومات سے دوری اختیار کی جائے گی۔

۶– سفر آخرت کا زاد راہ اسی زندگی میں تیار کیا جائے گا۔

اکبر خود کو گرو کہتا تھا اور جو اس کے مرید ہو گئے تھے وہ چیلے کہلاتے تھے اس لیے اگر غور کیا جائے تو اس نے کوئی نیا مذہب شروع نہیں کیا تھا اور نہ اکبر نے کسی کو اس میں زبردستی شامل کرنے کی کوشش کی ابوالفضل آئین راھنمونی کے ایک اور اصول کے بارے میں لکھتا ہے کہ ارادت مند اشخاص آئین مقدس کے مطابق گوشت خوری سے جہاں تک ممکن ہو پرہیز کرتے ہیں۔[۱۱۰] مکھن رائے لال چودھری کی رائے قرین قیاس ہے کہ یہ محض نئے صوفیانہ نظام کا اعلان تھا۔[۱۱۱] اس نظام کی فکری اساس آزاد خیال صوفیہ اور بھکتی تحریک کے افکار سے اخذ شدہ تھی۔ اسے مکمل مذہب قرار دینا مبالغہ آرائی اور عقیدہ پرستانہ تعصب ہے۔ دین الٰہی کی بنیاد وحدت الوجود کے فلسفے پر رکھی گئی جو اس دور میں دانش وروں، صوفیوں اور سادھوؤں کی خانقاہوں سے نکل کر شاہی ایوانوں تک پہنچ چکا

۱۰۸– ابوالفضل نے **آئین** میں لکھا ہے کہ ہر شخص ایک نیا دین اپنے لیے منتخب کر کے اپنی جدید دنیا میں زندگی بسر کرتا ہے۔ ہر جماعت کے کارہائے دین جدا جدا ہو جاتے ہیں اور ایک گروہ دوسرے گروہ کی مذمت و توہین میں اپنا وقت صرف کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی دین و مذہب میں کوئی خاص خصوصیت نہیں ہے؛ ایک ہی دلآویز حسن ہے جو مختلف طریقوں پر جلوہ آرائیاں کر رہا ہے۔ اگر کوئی درد آشنا قلب مجبوراً ان اسرار کو ظاہر کرتا ہے تو کم فہم سعادت پذیر افراد تو اس کو دیوانہ سمجھ کر اس کے قول پر اعتبار نہیں کرتے اور بد سرشت و نالائق اس کو کافر و ملحد کہہ کر اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیتے ہیں۔ (ابوالفضل، **آئین اکبری**، ۱: ۳۰۵-۳۰۶۔)

۱۰۹– نفس مصدر، ۱: ۳۰۵-۳۱۰۔

۱۱۰– نفس مصدر، ۱:۳۰۵۔

111– Makhan Lal Roy Choudhury, *The Din-i Ilahi or the Religion of Akbar* (Calcutta: University of Calcutta, 1941), 306.

تھا۔ اکبر کے بہت سے درباری ارباب دانش اس کے قائل تھے۔ ان میں شیخ امان اللہ پانی پتی[۱۱۲] اور شیخ تاج الدین دہلوی[۱۱۳] کے نام قابل ذکر ہیں، ان ہی لوگوں کے ذریعے اکبر اس فلسفے سے روشناس ہوا۔[۱۱۴] یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے شعوری طور پر اس فلسفہ کے حوالہ سے اپنے مذہبی خیالات مرتب کیے تھے تاہم حسی سطح پر اکبر کے ہاں اس فلسفے کے اثرات واضح طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

۱۵۸۱ء میں اکبر نے اپنے دین الٰہی کا اعلان کیا جس میں عقل کو مذہب کے سمجھنے کے لیے بنیاد قرار دینے پر زور دیا گیا۔ نفس پرستی، حرص، بددیانتی، دھوکہ دہی، الزام تراشی، ظلم اور تکبر کی ممانعت کی گئی۔ ان شرعی احکامات کے ساتھ ساتھ جو اسلام کے مروجہ احکام شریعت کے عین مطابق اور تمام دوسرے بڑے مذاہب میں مشترک تھے، اس نے جینیوں کی " جیوہتیا" سے نفرت اور کیتھولک مذہب کے تجرد کی نیک صفتی کو بھی ان میں شامل کر دیا۔ دس صفات پر عمل کی دین الٰہی میں ہدایت کی گئی تھی، ان میں سے نو تو براہ راست قرآن سے ماخوذ تھیں جب کہ دسویں صفت تمام صوفی فکر و تجربہ کی بنیاد تھی۔ ان صفات میں (۱) وسیع القلبی (۲) برے اعمال پر صبر (۳) نرمی کے ساتھ غصہ کو رفع کرنا (۴) زہد و اجتناب (۵) شدید مادی مشاغل سے علاحدگی (۶) ہوش مندی (۷) دین داری (۸) شرافت (۹) محبت (۱۰) خدا سے قربت اور خدا طلبی کی خواہش میں روح کی صفائی شامل تھیں۔[۱۱۵]

۱۱۲۔ آپ کا اصل نام عبدالملک اور لقب امان اللہ تھا۔ شیخ امان پانی پتی (م ۱۵۵۰ء) کے نام سے مشہور تھے۔ شاہ نعمت اللہ ولی کے سلسلۂ قلندریہ اور سلسلۂ چشت سے تعلق تھا۔ تصوف اور علم توحید میں شیخ ابن عربی کے معتقد تھے۔ صوفی بھی تھے اور شاعر بھی۔ ان کو تاریخ گوئی میں کمال حاصل تھا۔ آپ صاحب **شرح لوائح** اور بہت سی تصنیفات کے عالم تھے۔ آپ نے **نزہۃ الارواح** کی شرح لکھی۔ آپ کا ایک رسالہ **اثبات الاحدیت** ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی کی کتاب **لوائح** پر مفصل شرح لکھی۔ (بدایونی، **منتخب التواریخ**، ۲: ۴۶۸۔)

۱۱۳۔ شیخ تاج الدین دہلوی ولد شیخ زکریا جودھنی، انھیں تاج العارفین بھی کہا جاتا تھا۔ آپ شیخ امان پانی پتی کے شاگرد رشید تھے۔ (بدایونی، مصدر سابق، ۲: ۴۶۸۔)

۱۱۴۔ بدایونی، مصدر سابق، ۲: ۴۶۹۔

۱۱۵۔ اس فرقے میں کوئی " پروہتائی" نہیں تھی۔ نہ سورج، نور اور نار کے ساتھ اس کے غیر معمولی شغف اور نہ اس کے اصول؛ پرستش اور رسوم کے اعتبار سے اکبر کا یہ ملحدانہ فرقہ اسلام کے اندر پائے جانے والے دوسرے متفرق بدعاتی فرقوں کے مقابلے میں کوئی "جدید نوع" قرار نہیں دیا جاسکتا تھا۔ (عزیز احمد، **برصغیر میں اسلامی کلچر**، ۲۶۰۔)

بدایونی نے شیخ تاج الدین دہلوی کی بابت لکھا ہے جو کئی کتب کے مصنف و مشہور صوفی تھے کہ انھوں نے وحدت الوجود[۱۱۶] کی بات کی اور ابن عربی[۱۱۷] کی تصانیف سے کئی ایسی چیزیں لائے جن سے آزاد خیالی کا اشارہ

۱۱۶– جبر و قدر کا مسئلہ ہر مذہب میں نزاعی رہا ہے، مسئلۂ جبر کی مکمل توضیح فلسفہ وحدت الوجود میں ملتی ہے۔ اس نظریے کے مطابق انسان کا ارادہ اور خیال، اس کے اعمال و افعال اس کے اپنے نہیں بلکہ کسی خاص قوت اور خاص نظام کائنات کے ماتحت ہوتے ہیں۔ لہٰذا انسان اور دوسری مخلوقات بذاتہ خود کار و خود اختیار ہستی نہیں رکھتے، بلکہ وہ ایک واجب وجود ہستی یعنی خدا کے مظاہر و صور ہیں۔ مادہ روح اور خدا تینوں ایک ہی وجود کی مختلف حالتوں کا نام ہے۔ وحدت الوجود کا یہ تصور زرتشت کے فلسفے میں بھی شامل رہا ہے اور ہندو فلسفہ ویدانت میں بھی پایا جاتا ہے۔ تصوف میں وحدت الوجود کی مکمل شکل ابن عربی کی تصانیف میں ملتی ہے۔ (بدایونی، **منتخب التواریخ**، ۲: ۴۶۹۔)

۱۱۷ – آپ کا اصل نام محمد، باپ کا نام علی بن محمد مغربی، لیکن آپ محی الدین ابن عربی (۱۱۶۴ء– ۱۲۴۰ء) کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کی تصانیف تقریباً پانچ سو کے قریب ہیں۔ **فتوحات مکیہ** مشہور تصنیف ہے۔ آپ نے فلسفۂ جبر کو وحدت الوجود کی صورت میں پیش کیا۔ اس سلسلے میں آپ کی تصنیف **فصوص الحکم** شہرت کی حامل ہے۔ آپ کے نزدیک خدا ہمارا معبود اور محبوب ہے، یہ درست ہے۔ مگر وہ ایسا کسی یہودی، مسیحی، مسلم مفہوم میں نہیں ہے بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ وہ ہر اس شے کا جو معبود اور محبوب ہو سکتی ہے، جوہر ہے۔ اسے کسی مخصوص عقیدے، شکل یا مذہب سے محدود نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی شے جو پوجی جاتی ہے اس کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ ان ان گنت صورتوں میں سے ایک ہے جن میں خدا اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے۔ خدا کو صرف ایک صورت تک محدود کرنا اور باقی تمام صورتوں سے مستثنیٰ کر دینا کفر ہے۔ اور ہر قابل پرستش صورت میں اس کے وجود کے اعتراف میں مذہب کی صحیح روح مضمر ہے۔ یہ وہ عالم گیر مذہب ہے جس کی تبلیغ وحدت الوجودی ابن عربی نے کی ہے۔ یعنی ایک ایسا مذہب جس نے تمام مذاہب کا احاطہ کر لیا ہے۔ اور تمام اعتقادات کو یوں متحد کر دیا ہے جیسے کہ واحد حقیقت مطلق تمام اشیا کا احاطہ کر کے انھیں متحد کر دیتی ہے۔ اس خیال کو ابن عربی نے یوں ظاہر کیا ہے:
"صح عند الناس أني عاشق غير أن لم يعرفوا عشقي لمن" (یہ بات کہ میں عشق میں مبتلا ہوں لوگوں پر ظاہر ہے۔ لیکن وہ اس ذات سے بے خبر ہیں جس سے (درحقیقت) مجھے عشق ہے۔) (ابن عربی، **فصوص الحکم**، ۲۱۸۔)
اور پھر ان اشعار میں یوں اظہار کیا ہے:

لقد صار قلبی قابلاً كل صورة
فمرعى لغزلان و دير لرهبان
وبيت لأوثان و كعبة طائف
والواح تورات و مصحف قرآن
ادين بدين الحب أني توجهت
ركائبه فالدين (فالحب) ديني و ايماني

ملتا۔ انھوں نے خلیفہ الزمان کو انسان کامل کہا اور اکبر بادشاہ کو اس لقب کا مستحق قرار دیا۔ انھوں نے بادشاہ کے لیے سجدہ تجویز کیا اور اس کی حمایت میں بعض روایات اور ان ہندوستانی صوفیانہ طریقوں کی مثال جن میں مرید اپنے مرشدوں کو سجدہ تعظیمی کرتے ہیں، پیش کی۔[۱۱۸]

ابوالفضل اکبر کے بارے میں **اکبر نامہ** میں لکھتا ہے کہ ابتدا میں دوسرے لوگوں کی طرح اکبر کے خیالات بھی ایسے تھے کہ وہ ظاہری طور اور بغیر باطنی قبولیت کے لوگوں کے مسلمان ہونے کو درست سمجھتا تھا لہٰذا اس نے کئی ہندوؤں کو ڈرا دھمکا کر مسلمان کیا۔ لیکن جب اس پر باطنی حقیقت منکشف ہوئی تو اسے اندازہ ہوا کہ کسی پر اپنا اثر ورسوخ استعمال کر کے اس سے ظاہری قسم کا سجدہ کروا کر مسلمان بنانا اصل اسلام نہیں ہے بلکہ جو سوچ سمجھ کر اس راستہ کا انتخاب کرے وہ بہتر ہے۔ چناں چہ وہ اس بات پر زور دینے لگا کہ بہتر راستہ وہ ہے جس میں نفس کو شکست دی جائے اور خواہش اور غصہ کو عقل کے تابع کیا جائے۔[۱۱۹]

طاعت آں نیست کہ برخاک نہی پیشانی
صدق پیش آرا کہ اخلاص بہ پیشانی نیست

دیگر مذاہب کے متعلق اکبر کا خیال تھا کہ در حقیقت انسان وہ ہے جو انصاف کو اپنا راہ نما بنائے اور ہر مذہب یا گروہ سے جو چیز عقل کے مطابق ہو وہ قبول کرے۔[۱۲۰]

شیخ محمد اکرام کی رائے میں اکبر نے وہ کام جن کا مذہب سے تعلق نہیں تھا، عوام کی خوشنودی کے لیے

(میرا دل ہر ایک صورت کا مسکن بن گیا ہے۔ یہ غزالوں کے لیے ایک چراہ گاہ ہے اور عیسائی راہبوں کے لیے خانقاہ اور بت پرستوں کے لیے مندر اور حاجیوں کے لیے کعبہ اور الواح توراۃ اور کتاب القرآن۔ میں مذہب عشق کا پیرو ہوں اور اسی سمت چلتا ہوں جدھر اس کا کارواں مجھے لے جائے کیوں کہ یہی میرا دین ہے اور یہی میرا ایمان۔)

ابن عربی کے فلسفۂ تصوف کی جڑیں اسلامی تصوف اور الٰہیات کی تاریخ میں گہری ہیں، اگرچہ بحیثیت مجموعی ان کا نظام فکر ان کا اپنا ہی رہتا ہے۔ گویا ان کا پاؤں ہر خیمے میں ہے اور وہ اپنا مواد ہر ممکن ماخذ سے مستعار کر لیتے ہیں۔ اسلام کے فلسفۂ توحید یعنی باری تعالیٰ کی وحدت مطلق کے بارے میں ابن عربی نے ہمیشہ یہ تشریح کی ہے کہ اس سے مراد وجود کل کی وحدت مطلق ہے۔ (**اردو دائرہ معارف اسلامیہ**، ترجمان الاشواق، ۴۰، ۱: ۶۱۱۔)

۱۱۸۔ بدایونی، مصدرِ سابق، ۲: ۴۶۹۔

۱۱۹۔ ابوالفضل، **اکبر نامہ** (لکھنؤ: منشی نول کشور، س ن)، ۲۵۶۔

۱۲۰۔ اکرام، **رود کوثر**، ۹۴۔

ترک کر دیے لیکن ملکی امور میں اکبر کا جو بنیادی طریقہ کار تھا، مسلمان اسے بھی تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھے۔ اکبر اور ابو الفضل اسے "صلح کل"[۱۲۱] کہتے تھے۔ کئی مسلمان بادشاہوں (کشمیر کے بادشاہ سلطان زین العابدین (۱۴۲۰ء–۱۴۷۰) نے مسلمان رہتے ہوئے مکمل صلح کل اور رواداری کا طریقہ اختیار کیا، لیکن اکبر کا طریقہ الگ تھا۔ اس کے خیال میں ہندوستان کے حکم ران کو ایسا ہونا چاہیے کہ ہر مذہب کے لوگ اسے اپنا ہم مذہب خیال کریں جیسا کہ ہندو اسے ہندو، مسلمان اسے مسلمان، پارسی، جین اور مسیحی اسے اپنا ہم مذہب سمجھیں۔ مسلمان علما اور عوام کے ہاں یہ طریقہ ناپسندیدہ تھا۔ وہ اکبر کو ناپسند کرنے لگے یہاں تک کہ آخر میں جو خلاف اسلام عمل و عقیدہ اکبر سے منسوب ہوتا اور جو کچھ اس کے خلاف کہا جاتا تو عوام اسے درست مان لیتے۔[۱۲۲]

پرتگیز[۱۲۳] پادری ۱۵۹۴ء میں لکھتے ہیں کہ بادشاہ سب مذاہب سے کچھ نہ کچھ لینا چاہتا ہے اور اس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ اپنا مذہب جاری کرنے والا ہے۔ یعنی اس وقت تک اکبر نے کوئی نیا مذہب جاری نہیں کیا تھا اس کے بعد تو اکبر کی طرف سے کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ دور اکبری کی تواریخ میں دین الٰہی کا نام کہیں نہیں ملتا۔ بعد کے مؤرخین نے آئین راہ نمونی کو یہ نام دیا ہے۔ ابو الفضل نے سب احکام کے لیے آئین راہ نمونی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ بدایونی بھی ان احکام کے لیے ارادہ، مریدی اور اخلاص اور وغیرہ کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ بدایونی کی کسی تحریر میں لفظ دین الٰہی اکبر یا ابو الفضل کی طرف اشارہ نہیں ہے۔ بدایونی نے بس اتنا لکھا ہے: "وروش خود را بہ توحید الٰہی موسوم ساختند"[۱۲۴] اس میں مرید ان شاہی کا خاص طور پر ذکر ہے کہ ان میں خاص طبقہ کو چیلہ کہتے ہیں اور

۱۲۱– یعنی عوام کے جملہ عناصر سے مصالحت اور سب سے یکساں طور پر برتاؤ کرنا بہ الفاظ دیگر شہنشاہیت کے مصالح کے لیے بلالحاظ مذہب و نسل سب کو استعمال کرنا۔ چناں چہ اس نظریے کے مطابق اکبر کا فلسفیانہ نظریہ بھی صرف وحدت الوجود کی صورت میں ہی پیش ہو سکتا تھا۔

۱۲۲– اکرام، مرجع سابق، ۱۲۷۔

۱۲۳– پرتگیزی سلطنت دنیا کی تاریخ کی پہلی عالمی سلطنت تھی جو جنوبی امریکہ، افریقہ، ہندوستان اور جنوب مشرقی ایشیا تک کے مختلف علاقوں پر قابض تھی۔ یہ جدید یورپی نو آبادیاتی سلطنتوں میں سب سے زیادہ عرصے تک قائم رہنے والی سلطنت تھی۔ اس کا دور سات صدیوں پر محیط ہے جو ۱۴۱۵ء میں کیتا پر قبضہ سے لے کر ۱۹۹۹ء میں مکاو کو چین کے حوالے کرنے تک پھیلا ہوا ہے۔ پرتگیزی جہاز رانوں نے ۱۴۱۹ء میں افریقہ کے ساحلوں کی تلاش شروع کر دی تھی۔ جہاز رانی، نقشہ سازی اور اس وقت کی جدید ٹیکنالوجی کا استعمال کرتے ہوئے پرتگیزی جہاز ران کام یاب ہوتے چلے گئے۔ ۱۴۹۸ء میں واسکوڈے گاما ہندوستان پہنچنے میں کام یاب ہو گیا۔

۱۲۴– بدایونی، مصدر سابق، ۲: ۵۱۱۔

دوسروں کو درشنیہ یعنی وہ لوگ جنھیں محل کے اندر بار نہ تھا اور وہ صبح کو جھروکہ کے سامنے آ کھڑے ہوتے تھے۔[۱۲۵]

اکبری احکام کے لیے دین الٰہی کا لفظ ۱۶۷۰ کے بعد استعمال ہوا۔ غلام حسین طباطبائی نے بھی اپنی کتاب **سیر المتاخرین** میں مذہب الٰہی کی ترکیب بے تعصبی اور طریقہ " صلح کل" کے معنوں میں استعمال کی۔ بلاک مین نے آئین اکبری کے پہلے انگریزی ایڈیشن میں "طریقہ" یا "روش" کا ترجمہ دین الٰہی کر دیا[۱۲۶] جو بعد میں کتب میں نقل در نقل ہوتا چلا گیا۔ اکبری آئین کو ابو الفضل اور بدایونی دین نہیں روش یعنی طریقہ (Cult) کہتا ہے۔ یہ ایک نیا مذہب نہیں تھا بلکہ ارادت و عقیدت کا سلسلہ تھا جس کی بنیاد بادشاہ اور خوشامدی گروہ نے رکھی۔ جب اکبر کے معاصرین نے دین الٰہی کا لفظ استعمال نہیں کیا تو بلاک مین کے لفظ کو نقل کرتے چلے جانا مناسب نہیں ہے۔[۱۲۷] اکبر کے اس طریقے کو ہندو شاہی درباریوں میں سے صرف راجہ بیر بر نے اختیار کیا باقی ہندوؤں نے اس کی مخالفت کی۔

اکبر کے جاری کردہ طریقہ (Cult) کو اگر مذہب کہا جائے تو اس کو ماننے والوں کا پرانے مذہب سے خروج سمجھا جائے گا، لیکن مریدی کے احکام سے اصل مذہب کا ترک ہونا مراد نہیں ہوتا۔ اگر اکبر کے طریقے کو تھوڑی دیر کے لیے ایک الگ مذہب سمجھ لیا جائے تو اکبر، خان اعظم، میر اں صدر جہاں اور کئی لوگوں کے بارے میں کہنا پڑے گا کہ وہ دائرہ اسلام سے نکل گئے۔ جب کہ بدایونی کی کتاب پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ مرید بنے تھے انھوں نے اسلام ترک نہیں کیا تھا۔ بدایونی کے بہ قول اس دور کے مشہور بزرگ حضرت موسیٰ پاک شہید ملتانی بھی رسمی طور پر اکبر کے مریدوں میں شامل ہو گئے تھے لیکن پھر بدایونی لکھتا ہے کہ شیخ موسیٰ جب اکبر کے دربار میں ہوتے اور نماز کا وقت ہو جاتا تو وہ وہیں دیوان خانے میں اذان دے کر نماز پڑھنا شروع کر دیتے اور کوئی انھیں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔[۱۲۸]

ڈاکٹر ایشوری پرشاد آئین راہ نمونی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اکبر علما کے تعصب سے متنفر تھا اور ایک

---

۱۲۵ – بدایونی، مصدر سابق۔

126– Abul Fazl Allami, *The Aīn i Akbari*, trans., H. Blochmann and Colonel H.S. Jarrett (Calcutta: The Asiatic Society of Bengal, 1873), 1: 166.

۱۲۷– اکرام، مرجع سابق، ۱۲۹۔

۱۲۸– بدایونی، مصدر سابق، ۲: ۶۱۳۔

متفقہ بنیاد تلاش کرنے کے لیے متضاد مسلک کی نئی ترکیب کی منصوبہ بندی کر رہا تھا جو شاید سب کے لیے قابل قبول ہو۔ اس نے نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھا اور نہ ہی خود کو بہ طور مثل پیش کیا۔ حق الٰہی میں اس کے اعتقاد کو نبی کہلانے کے دعوے کے ساتھ الجھایا نہیں جانا چاہیے۔ اس کا اصل مقصد اپنی تمام رعایا کو اکٹھے کرنا تھا اس لیے اس نے دین الٰہی یا الٰہی عقیدے کو قائم کر کے اس خواہش کو پورا کرنا چاہا۔ نئے مذہب کو باضابطہ طور پر سال ۱۵۸۱ میں نافذ کیا گیا تھا۔ یہ ایک ایسا عقیدہ تھا جس میں تمام مذاہب کے اچھے نکات، تصوف، فلسفہ اور فطرت کی پوجا کا ایک امتزاج تھا۔ اس کی بنیاد عقلی تھی۔ اس نے کسی عقیدے کو برقرار نہیں رکھا، کسی خدا یا پیشین گوئی کو تسلیم نہیں کیا۔ یہاں شہنشاہ اس کا مرکزی خاکہ تھا۔ بدایونی کے بیان کے مطابق توحید الٰہی کے فقرے کے ذریعے نئے عقیدے کی وضاحت، ایک الٰہی توحید غلط ہے؛ کیوں کہ کاؤنٹ وان نائر کا کہنا ہے کہ اس نئے فرقے کے تمام طریقوں اور مشاہدات نے اشارہ کیا کہ یہ ایک بنیاد پر مبنی تھا، ذہانت پسندانہ خیال۔ شہنشاہ کا صوفیوں کی طرف جھکاؤ، ہندو مذہب سے اس کی گرفت اور عقلی تفتیش اور فلسفیانہ گفت گو میں ان کی گہری دل چسپی نے انھیں تمام مذاہب کو ایک مشترکہ مقصد کی طرف لے جانے والے مختلف راستوں کی حیثیت سے سمجھا۔ مریدی کا سلسلہ آخر تک جاری رہا لیکن اب یہ بادشاہ سے وفاداری اور عقیدت کا اظہار زیادہ تھا مذہبی عقائد اور طریقوں کا کم ہو گیا۔[۱۲۹]

> The truth of matter is that the emperor was disgusted with the bigotry of the Ulama and was planning a new synthesis of the conflicting creeds with a view to find a common basis which might be acceptable to all. He did not claim to be a prophet... His belief in Divine Right should not be confounded with claim to be called a Prophet.... His real object was to unite the peoples of his empire into an organic whole by supplying a common bond. This he hoped to accomplish by founding the Dīn–i-Ilahī or the Divine Faith. The new religion was officially promulgated in the year 1581. It was an eclectic pantheism, containing the good points of all religions, a combination of mysticism, philosophy and nature worship. Its basis was rational... The emperor's Sufī leanings, his appreciation of Hindu religion and his keen interest in rational enquiry and philosophical discussion led him to regard all religions as different roads leadings to the

---

۱۲۹۔ اکرام، مرجع سابق، ۱۳۳۔

same goal.[130]

(حقیقت یہ ہے کہ شہنشاہ (اکبر) علما کے کٹرپن سے بیزار تھا۔ وہ متضاد عقائد کا ایک مرکب پیش کرنے کی منصوبہ بندی کر رہا تھا؛ اور اس کے پیچھے ایسی قدر مشترک سامنے لانے کی سوچ کارفرما تھی جو سب کے لیے قابل قبول ہو۔ اس نے نبی ہونے کا دعوی نہیں کیا تھا۔۔۔ حق الٰہی پر اس کے اعتقاد کو نبوت کے دعوے کے ساتھ خلط ملط نہیں کرنا چاہیے۔ اس کا اصل مقصد یہ تھا کہ وہ اپنی سلطنت کے باشندوں کو ایک قدر مشترک فراہم کر کے ان کو ایک مربوط اکائی کی صورت اکٹھا کر دے۔ اس نے یہ کام دین الٰہی کی بنیاد رکھ کر انجام دینے کی امید کی تھی۔ اس نے اس نئے مذہب کو ۱۵۸۱ء میں جاری کیا۔ یہ مذہب ایک اصطفائی وحدت الوجود تھا، جس میں تمام مذاہب کی اچھی خصوصیات کو شامل کیا گیا تھا اور یہ دراصل تصوف، فلسفے اور مظاہر قدرت کی پرستش کا مرکب تھا۔ اس کی بنیاد عقلی تھی۔ صوفیانہ رجحان، ہندو مذہب کی ستائش، عقلیات اور فلسفیانہ گفت گو میں گہری دل چسپی وہ عوامل تھے جن کی وجہ سے شہنشاہ (اکبر) نے تمام مذاہب کو ایک ہی مقصد کی طرف لے جانے والے مختلف راستوں کی حیثیت سے سمجھا۔)

اکبر کی "صلح کل" پالیسی نے ملک میں ایسی فضا پیدا کر دی تھی کہ جب گرو امر داس نے ہر مندر دربار صاحب (امر تسر) کی تعمیر کا منصوبہ بنایا تو اس کا سنگ بنیاد رکھنے کے لیے لاہور سے حضرت میاں میر[۱۳۱] کو بلایا اور انھوں نے بھی خوشی کے ساتھ غیر مسلموں کی عبادت کا سنگ بنیاد رکھنے کی دعوت قبول کر لی۔[۱۳۲] چشتیہ سلسلے کے شیخ عبد والقدوس گنگوہی[۱۳۳] یہ کہتے رہتے تھے "این چہ شوردایں چہ غوغا کشادہ، کسے مومن، کسے کافر، کسے مطیع،

130– Ishwarī Prasād, *A Short History of Muslim Rule in India: From the Conquest of Islam to the Death of Aurangzeb* (Allahabad: The Indian Press, n.d.), 416.

۱۳۱– مغلیہ دور کے صوفی دانش وروں میں میاں محمد میر (م ۱۶۳۵ء) بڑے اہم مقام پر فائز ہیں۔ پورے ہندوستان میں ان کی شہرت پھیلی ہوئی تھی اور ہندوستان کے فکری اور صوفیانہ حلقوں میں انھیں عزت و احترام حاصل تھا۔ آپ فلسفۂ وحدت الوجود کے قائل تھے۔ مغل شہزادہ داراشکوہ کو آپ سے خاص انسیت تھی اور وہ میاں محمد میر کے مرید اور جانشین ملا شاہ بدخشانی کا مرید تھا۔ ویسے اس نے براہ راست حضرت میاں میر سے بھی کسب فیض کیا تھا۔ شہزادہ داراشکوہ نے آپ کے احوال و فضائل کے موضوع پر ایک مکمل کتاب **سکینۃ الاولیاء** تحریر کی ہے۔ داراشکوہ کے علاوہ اورنگ زیب عالم گیر بھی شہزادگی کے زمانے میں میاں محمد میر کا عقیدت مند تھا۔ آپ کے مداحوں میں صرف شاہی خاندان کے افراد ہی شامل نہ تھے اور نہ ان کی بزرگی کی شہرت صرف مسلمانوں تک ہی محدود تھی بلکہ ہندوؤں اور سکھوں کو بھی ان سے بہت عقیدت تھی۔ انھیں یہ بین المذاہبی احترام ان کے ترکیبی رویّے اور انسان دوستی کی بنیاد پر حاصل ہوا تھا۔ (اکرام، مرجع سابق، ۴۲۶۔)

۱۳۲– محمد اسلم، **دین الٰہی اور اس کا پس منظر**، ۱۴۹۔

۱۳۳– آپ بڑے پایہ کے بزرگ تھے، کئی سلسلوں سے فیض حاصل کیا۔ لودھی دور حکومت میں انھیں مرکزی حیثیت حاصل رہی اور بہت سے لوگ ان سے فیض یاب ہوئے۔ آپ کے خلفا میں سے حضرت مجدد الف ثانی کے والد شیخ عبد الاحد، شیخ جلال

کسے عاصی، کسے در راہ، کسے بے راہ، کسے مسلم، کسے پارسا، کسے ملحد، کسے ترسا، ہمہ دریک سلک است" [۱۳۴] بالکل ایسا ہی عقیدہ اکبر اور اس کے حواریوں کا تھا۔ **آئین اکبری** میں ایک موقع پر ابو الفضل لکھتا ہے "کدام دین وچہ دینے یک حسن دلآویز در چندین ہزار پردہ تابش می دہد"[۱۳۵] اکبر کے خیالات، شیخ عبد والقدوس گنگوہی کے خیالات سے مختلف نہ تھے لیکن اکبر کا مسئلہ یہ تھا کہ وہ بادشاہ تھا اور "الناس علی دین ملوکھم" کے مصداق اس کے ایسے خیالات کا اثر براہ راست عوام پر پڑتا تھا، جب کہ صوفیوں، قلندروں اور مجذوبوں کے ایسے خیالات کو لوگ نظر انداز کر دیتے ہیں۔ نیز مسلمانوں نے ہندوستان کو بزور بازو فتح کیا تھا اور گذشتہ چار صدیوں سے وہ اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے اس کی مدافعت کرتے آئے تھے۔ وہ ہندوستان کو دارالاسلام سمجھتے تھے اور اس ملک میں مسلمانوں کی برتری کے قائل تھے۔ اکبر نے کبیر اور نانک کے نقش قدم پر چل کر "صلح کل" پالیسی اختیار کی۔ وہ ہر مذہب وملت کے رہ نماؤں سے فراخ دلی سے ملنے لگا۔[۱۳۶]

جرمنی کی معروف سکالر ڈاکٹر این میری شمل (۱۹۲۲ء– ۲۰۰۳ء) اپنی کتاب میں اکبر کے اس مذہب کے بارے میں لکھتی ہیں کہ اس طرح کا عقیدہ پیدا کرنے کا اس کا ارادہ تھا کہ تمام مابعد مذہبی عناصر کو اس کی سلطنت میں ہم آہنگی پیدا کرنا اور ان پریشانی کے اوقات میں استحکام لانا ہے۔

> His intention for the creation of such a faith was to merge all the irreconcilable religious elements in his kingdom to create harmony and bring stability during those tumultuous times.[137]

الدین تھانیسری کے نام قابل ذکر ہیں۔ آپ شیخ عبد النبی صدر الصدور کے دادا تھے۔ (عبد الحئ حسنی، **نزهة الخواطر**، ۴: ۱۷۷۔)

۱۳۴– یہ کیا شور ہے، یہ کیا غوغا آرائی ہے، کوئی مومن، کوئی کافر، کوئی فرماں بردار، کوئی نافرمان، کوئی راہ رو، کوئی بے راہ رو، کوئی مسلمان، کوئی پارسا، کوئی ملحد، کوئی پرہیز گار، تمام ہی ایک سلسلے (انسانیت) میں ہیں۔ (**مکتوبات شیخ عبد القدوس گنگوہی**، ترجمہ، مولانا واحد بخش سیال چشتی صابری (لاہور: الفیصل ناشران، ۲۰۱۰ء)، ۲۰۵۔)

۱۳۵– ابو الفضل، **آئین اکبری** ۱: ۱۸۹۔

۱۳۶– ڈاکٹر محمد اسلم کی رائے میں اکبر کی اس حکمت عملی سے ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا اور مسلمانوں کی برتری ختم کر کے ہندوستان کو دارالاسلام سے ایک سیکولر اسٹیٹ میں تبدیل کر دیا۔ (اسلم، **دین الٰہی اور اس کا پس منظر**، ۱۵۰۔)

137– Annemarie Schimmel, *The Empire of the Great Mughals: History, Art and Culture* (London: Reaktion Books, 2006), 251.

(ایسے دین کی تخلیق کے پیچھے اس کا یہ ارادہ کار فرما تھا کہ اس کے ذریعے وہ اپنی سلطنت میں موجود تمام مذہبی عناصر کو ضم کر کے ان ہنگامہ خیز ایام میں (سلطنت میں) اتفاق اور استحکام پیدا کر سکے۔)

اکبر کے آئین راہ نمونی سے بہت پہلے علاء الدین خلجی (۱۲۹۵ء–۱۳۱۵ء) کو ایک نیا مذہب بنانے کا خیال آیا لیکن وہ فخر الدین کوتوال دہلی کے اس مشورے کی وجہ سے رکا کہ پہلے ہندوستان کی مکمل فتح ضروری ہے۔[۱۳۸] بہر حال اس نے مغیث الدین قاضی بیانہ سے اس بات کی صاف الفاظ میں وضاحت کر دی تھی کہ حکومت کا دارومدار شریعت پر نہیں بلکہ سلطان کی مرضی پر ہے۔[۱۳۹]

۱۳۸– علاء الدین کو اپنی تخت نشینی کے پہلے تین سالوں میں چوں کہ اپنے بہت سے منصوبوں میں کام یابی حاصل ہوئی، ان کام یابیوں کی وجہ سے اس کے دل میں عجیب طرح کے خیال آنے لگے۔ ان خیالات میں سے ایک خیال یہ تھا کہ جس طرح حضور ﷺ نے اپنی قوّت اور شوکت سے شریعت قائم کی اور ان کے چاروں خلفا نے اس شریعت کو مضبوط بنایا اسی طرح اگر میں بھی اپنے چاروں امرا الماس بیگ الغ خان، ملک ہزیر الدین ظفر خان، ملک نصرت خان اور سنجر الپ خان کی مدد سے کوئی نئی شریعت قائم کروں تو میرا نام قیامت تک باقی رہے گا۔ وہ اکثر اپنی اس سوچ کا تذکرہ اپنے مصاحبوں سے کرتا رہتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کا دوسرا خیال یہ تھا کہ جس طرح سکندر نے ایک فاتح کی حیثیت سے شہرت حاصل کی اسی طرح میں بھی ساری دنیا کو فتح کروں اور اپنی شریعت کو رواج دوں۔ ارا کین سلطنت اس کے مزاج سے واقف ہونے کے سبب اس کے سامنے کچھ نہ کہہ پاتے لیکن کوتوال دہلی ملک علاء الدین عرف علاء الملک نے جرأت سے کام لیتے ہوئے اس کا مذہب کے بارے میں نظریہ درست کیا اور اس پر واضح کیا کہ نبوّت کا سلسلہ حضور ﷺ پر ختم ہو چکا ہے لہٰذا آپ کے نئے مذہب کے جاری کرنے پر تمام مسلمان آپ کے خلاف ہو جائیں گے اور ملک میں فتنہ و فساد کا ایک دروازہ کُھل جائے گا۔۔ علاء الملک کی یہ باتیں سن کر سلطان علاء الدین تھوڑی دیر کے لیے چُپ ہو گیا اور پھر علاء الملک کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے اپنے ارادے سے باز رہا۔ پھر اپنے دوسرے خیال کے متعلق علاء الملک سے دریافت کیا۔ اس نے اس مسئلے پر اپنی رائے دیتے ہوئے کہا کہ آپ کا ارسطو کی طرح کوئی قابل وزیر تو ہے نہیں جو آپ کے بعد اتنی مُدت تک سچا اطاعت گزار رہے، اس کے علاوہ اور بھی کئی دلائل دیے جنھیں سُن کر سلطان مطمئن ہو گیا، اسے تحائف دے کر رخصت کیا اور خود درج بالا دونوں کاموں سے باز رہا۔ (ضیاء الدین برنی، **تاریخ فیروز شاہی**، مترجم، ڈاکٹر سید معین الحق (لاہور: اردو سائنس بورڈ، اپر مال، ۲۰۰۴ء)، ۳۹۰۔)

۱۳۹– باوجود اس کے کہ شرعی احکام سے اسے کوئی خاص شغف نہ تھا تاہم کبھی کبھار وہ قاضی مغیث الدین بیانوی سے شرعی مسائل کے بارے میں گفت گو کر لیا کرتا تھا کہ قاضی مغیث الدین کو سلطان سے خاصی قربت حاصل تھی۔ ایک دفعہ اس نے اسلامی شریعت کی رُو سے کسی ہندو کو ذمی اور خراج گزار کہا جا سکتا ہے، کے بارے میں دریافت کیا تو قاضی صاحب نے اس مسئلے پر فرمایا کہ مذہب اسلام کی رُو سے اُن غیر مسلموں کو ذمی کہا جاتا ہے جو اسلامی حکم ران کے عاملوں کے طلب کرنے پر بغیر کسی حیل و حُجّت کے مال اور خراج ادا کریں۔ اگر بادشاہی عامل ان غیر مسلموں کی کوئی بے عزتی

دین الٰہی کا کئی سال ہنگامہ برپا رہا پھر بادشاہ کے خوف سے مخالفین نے خاموشی اختیار کی تو بحث و مباحثے کی محفلیں بھی ختم ہو کر رہ گئیں۔ جدید عقائد و اعمال چند روز میں ہی بے مزا معلوم ہونے لگے خدمت گزار ہندوؤں نے بھی اسے نہ اپنایا۔ اٹھارہ چیلوں میں صرف ایک ہندو بیربل کا نام آتا ہے۔ نئے دین کی ایجاد کے اصل محرک شیخ مبارک اور ان کے دونوں بیٹے (فیضی، ابوالفضل) بتائے جاتے ہیں۔ جہانگیر نے لکھا ہے کہ ابوالفضل (۱۶۰۳ء) وفات کے ساتھ اکبر کی بداعتقادی کا خاتمہ ہو گیا اور وہ ایک پاکباز مسلمان کی طرح خدا کے پاس گیا۔[۱۴۰]

۴۔ محضر نامہ اور اس کا پس منظر

بندرابن میں اس زمانے میں جو سر بفلک مندر تعمیر ہوئے، ان میں سب سے پر شکوہ (گوبند جی کا مندر) مان سنگھ نے ایک کروڑ روپے کی لاگت سے تعمیر کرایا اور مندر کے ایک سنسکرت کتبے سے پتا چلتا ہے کہ یہ مندر ۱۵۹۰ میں "مہاراجا پرتھوی راج کی نسل کے" راجامان سنگھ نے اپنے گرو روپ اور سناتن کی زیر ہدایت تعمیر کرایا۔ متھرا کے قرب وجوار میں مندروں کی تعمیر کا یہ وسیع سلسلہ ہندوستان کی مذہبی تاریخ میں بہت اہمیت کا حامل ہے

بھی کریں تو انھیں صبر کے ساتھ برداشت کرنی چاہیے اور مال کی ادائی میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔ علماے مذہب اسلام نے غیر مسلموں کے متعلق یہ حکم دیا کہ وہ یا مذہب اسلام قبول کر لیں یا قتل کر دیے جائیں لیکن امام ابو حنیفہ نے غیر مسلموں کے قتل سے منع کیا ہے اور اس کی جگہ جزیہ وصول کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس لیے غیر مسلموں سے سختی کے ساتھ جزیہ وصول کرنا چاہیے تاکہ یہ تشدد اور سخت گیری قتل کے قائم مقام ہو سکے۔ یہ جواب سُن کر علاء الدین مسکرایا اور کہا تُم نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ قران مجید سے ماخوذ ہے لیکن میں نے اپنے ذاتی غور و فکر سے جو طریقہ اختیار کیا وہ یہی ہے کیوں کہ میں ہر اس چیز کا حکم دیتا ہوں جس میں ملک کی اور عوام کی اصلاح دیکھتا ہوں لیکن جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ لوگ گستاخی اور بے التفاتی کرتے ہیں اور میرے احکامات بجا نہیں لاتے تو میرے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ ان کے خلاف سخت اقدامات کروں تاکہ وہ تابع فرمان ہو جائیں۔ میں یہ نہیں جانتا کہ میرے یہ احکامات مشروع ہوتے ہیں یا نامشروع (شریعت کے خلاف)، جس چیز میں صلاح ملک دیکھتا ہوں اور جو مجھے مصلحت وقت کے مطابق نظر آتا ہے، اسی کا میں حکم دیتا ہوں۔ (برنی، **تاریخ فیروز شاہی**، ۴۲۸۔)

۱۴۰۔ جہانگیر کی تزک کا انگریزی ترجمہ میجر پرائس نے کیا ہے اور ترجمے میں یہ فقرہ لکھا ہے کہ اکبر نے سب سے بڑے مولوی کے ہاتھ پر توبہ کی اور کلمہ پڑھ کر وہ جنتی مسلمانوں کی طرح اس دنیا سے رخصت ہوا۔ لیکن اس طرح کا کوئی جملہ اس **تزک جہانگیری** میں موجود نہیں ہے جو سر سید احمد خان نے ۱۸۶۴ء میں چھپوائی۔ (دہلوی، **تاریخ ہندوستان**، ۵: ۱۰۲۴؛ جہانگیر، **تزک جہانگیری**، ۳۱۰؛ سید ہاشمی فرید آبادی، **محمد بن قاسم سے اورنگ زیب عالمگیر تک**، ۴۷۸۔)

ایک تو سلطان محمود غزنوی کے متھرا[۱۴۱] میں مندر نما قلعوں پر حملے[۱۴۲] کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ مسلم دارالحکومت (آگرہ) کے قریب نئے مندر کثرت سے تعمیر ہو رہے تھے اور دوسرے اکبر کے دربار میں جس واقعے نے علما کے اختیارات کا مسئلہ نازک صورت میں پیش کیا اور محضر کی ترتیب اور اکبر کے امام عادل بننے کا پیش خیمہ ہوا وہ متھرا بندرابن کی انھی سرگرمیوں کا شاخسانہ تھا۔ ۱۵۷۹ء میں شیخ عبدالنبی صدرالصدور کے سامنے متھرا کے ایک ایسے برہمن کا مقدمہ پیش ہوا جس نے مسجد کے لیے بنائے گئے مسالے کو ایک مندر کی تعمیر میں صرف کر دیا اور جب اس سے باز پرس ہوئی تو اس نے بانی اسلام کے متعلق توہین آمیز کلمات کہے؛ بالآخر شیخ عبدالنبی نے اس برہمن کو قتل کرا دیا تو اکبر کی راجپوت رانیوں نے جن میں مان سنگھ کی پھوپھی بھی تھی، سخت شکایت کی اور آخر کار اکبر نے محضر لکھوا کر اختلافی معاملات میں تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ اس دور میں متھرا بندرابن میں اس قدر مندر تعمیر ہو رہے تھے کہ وثوق سے اس واقعے کو کسی خاص مندر سے متعلق کرنا ممکن نہیں۔[۱۴۳]

اکبر نے اگست ۱۵۷۹ء میں ایک فرمان (محضر) جاری کیا جسے کچھ جدید مؤرخین نے اکبر کے حتمی فرمان کا نام دیا ہے۔ مؤرخ عبدالقادر بدایونی لکھتا ہے کہ مذہبی معاملات میں اس کے حاکمانہ اختیار قائم کرنے کے حکم کی طرح بادشاہ نے دربار میں ایسے ماہرین مقرر کیے تھے جنھوں نے اس دستاویز (محضر) کو تیار کیا تھا۔ محضر کے

۱۴۱– جمنا کے دوسرے کنارے پر متھرا کا شہر واقع تھا جہاں کرشن پیدا ہوئے تھے۔ ہندوؤں کے نزدیک کرشن خدا کے اوتار ہیں۔ متھرا کی دولت، عمارات اور آبادی اپنی مثال آپ ہے۔ یہ شہر راجہ دہلی کے زیر نگین تھا۔ (قاسم فرشتہ، **تاریخ فرشتہ**، ۱: ۱۰۴۔)

۱۴۲– مہاون قلعے کی فتح کے بعد ۱۰۲۰ء میں محمود غزنوی کی توجہ متھرا شہر کی طرف ہوئی لیکن جب محمود نے متھرا پر حملہ کیا تو کوئی بھی محمود کے مقابلے پر نہ آیا۔ وہاں کے باشندے اپنی جانیں بچا کر بھاگ نکلے۔ محمود نے بہت سی مندر نما عمارتوں کا قلع قمع کیا جو شہر اور اس کے ارد گرد آباد تھیں، ان کی بہت سی دولت حاصل کی۔ سلطان بیس روز قیام کے بعد وہاں سے روانہ ہوا۔ اسی اثنا میں محمود کو پتا چلا کہ متھرا سے چند میل کے فاصلے پر دریا کے کنارے واقع سات قلعے بلندی اور مضبوطی کے لحاظ سے بڑی اہمیّت رکھتے ہیں، یہ سنتے ہی محمود نے قلعوں کا رخ کیا مگر وہاں کا حاکم بڑا ڈرپوک تھا۔ محمود کی آمد کا سن کر وہ وہاں سے فرار ہو گیا اور اُن قلعوں کے تمام مال و دولت پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ (فرشتہ، **تاریخ فرشتہ**، ۱: ۱۰۶۔) اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ محمود غزنوی کی مہموں کا مقصد بنیادی طور پر ہندوستانی ریاستوں کے دفاع کو کم زور کرنا تھا تاکہ وہ غزنوی حکومت کے لیے خطرہ نہ بنیں۔ چوں کہ قلعوں میں مندروں کو عسکری مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا تھا، اس لیے حملوں میں وہ بھی نشانہ بنتے رہے۔

۱۴۳– اکرام، **رود کوثر**، ۱۰۱، ۴۹۵۔

مقاصد بادشاہ کے امام عادل کے طور پر فقہا پر مطلق بالادستی اور اختیار کو قائم کرنا تھا ان پر لازم تھا کہ وہ بادشاہ کے احکام کی اطاعت کریں۔ چناں چہ چیف قاضی، چیف مفتی اور بادشاہ کے دربار کے دیگر بڑوں نے دستاویز پر دست خط کر دیے۔ یہ دستاویز مذہب اور ریاست کے درمیان تنازع کا پس منظر واضح کرتی ہے۔ محضر کے متن کے نکات درج ذیل ہیں:

۱- ہندوستان جو شاہی انصاف اور حکومت کی وجہ سے سیاسی طور پر مستحکم ہے، اب امن و سلامتی کا مرکز اور انصاف و رحم دلی کی سرزمین بن چکی ہے اور لوگوں کی ایک بڑی تعداد خاص طور پر تعلیم یافتہ افراد، قانون دان ہجرت کر کے آئے ہیں اور اس ملک کو اپنے گھر کے طور پر منتخب کیا ہے۔ اب یہ ضروری ہو چکا ہے کہ ملکی بنیادوں کو مضبوط اور اور نظریات کو مستحکم کیا جائے۔

۲- اب ہم ماہرین اصول علما نے، جو نہ صرف قانون کے متعدد شعبوں اور اصول قانون (اصول فقہ) میں اعلیٰ درجہ کے ماہر اور معقولیت پر مبنی فرامین اور دستاویزات سے مکمل طور سے باخبر ہیں بلکہ اپنے تقویٰ اور پاک ارادوں کے حوالے سے معروف ہیں، باقاعدہ طور پر گہرے معانی کو ملحوظ رکھا ہے۔ پہلے تو اس قرآنی آیت کا کہ ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ [۱۴۴] اور دوم، صحیح روایت کا "إن أحب الناس إلى الله يوم القيٰمة إمام عادل. من يطع الأميرفقد أطاعني و من يعص الأمير فقد عصاني." [۱۴۵] (بے شک قیامت کے دن اللہ کو سب سے زیادہ محبوب شخص امام عادل ہو گا جو امیر کی اطاعت کرے گا وہ میری (رسول) اطاعت کرے گا اور جو امیر کی نافرمانی کرے گا وہ میری نافرمانی کرے گا۔)

۳- بہت سے دیگر شواہد کا جو عقل یا دستاویز پر مبنی ہیں اور ہم اس پر متفق ہیں کہ اللہ کی نظر میں عادل سلطان کا مرتبہ مجتہد سے بڑھ کر ہے۔ مزید برآں ہم اعلان کرتے ہیں کہ بادشاہ اسلام، امیر المومنین، جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی بڑے منصف مزاج، بہت دانا اور بہت خدا ترس بادشاہ ہیں۔ لہٰذا اس سے متعلق مستقبل میں ایک مذہبی اصول پیدا ہونا چاہیے کہ مجتہدین کی آرا قابل تغیر ہیں اور اعلیٰ حضرت

۱۴۴- القرآن، ۴: ۵۹

۱۴۵ - محمد بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الجهاد و السیر، باب یقاتل من وراء الامام و یتقی به (دار طوق النجاة، ۱۴۲۲ھ)، رقم: ۲۹۵۷۔

اپنی دانش مندی کے مطابق عوام کے مفاد میں اور سیاسی مصلحت کے طور اس مسئلے پر موجود کسی بھی متنازعہ رائے کو اختیار کر سکتے ہیں اور اس ضمن میں فرمان جاری کر سکتے ہیں اور ہم بذریعہ ہذا اس پر متفق ہیں کہ ایسا فرمان ہم عام و خاص پر اور تمام قوم پر لازم ہو گا۔

۴۔ علاوہ ازیں ہم واضح کرتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کی سوچ ایک نئے حکم کے اعلان کے لیے موزوں سمجھی جانی چاہیے اور ہم اور اسی طرح قوم بھی اس کے ذریعے پابند ہو گی۔ بشرطے کہ ایسا حکم نہ صرف ہمیشہ قرآن کی چند آیات کے ساتھ ہم آہنگ ہو بلکہ قوم کے حقیقی مفاد کے مطابق بھی ہو۔

۵۔ مزید یہ کہ اعلیٰ حضرت کے منظور کردہ کسی حکم کے مندرجات کے کسی حصّے کی مخالفت، آنے والے جہاں میں دائمی عذاب اور اس دنیا میں جائے داد اور مذہبی مراعات کی ضبطی کا سبب بنے گا۔[۱۴۶]

یہ دستاویز دیانت دارانہ مقصد کے ساتھ اللہ کی حمد و ثنا اور اسلام کے نفاذ کے لیے لکھی گئی اور ماہرین اصول علما اور قانون دانوں نے ۱۵۷۹ میں اس پر دست خط کیے۔[۱۴۷]

جیسا کہ بدایونی واضح کرتا ہے کہ محضر کی تائید اور مخالفت میں استدلال کا بڑا نقطہ مسئلہ اجتہاد اور یہ امر تھا کہ حکم ران اس کی مشق کا اختیار رکھتا ہے۔ یہ دستاویز واضح طور پر بتاتی ہے کہ حکم ران کا اختیار مجتہد سے کہیں بڑھ کر ہے، یہ بحث ریاست کو یہ کام سپرد کرنے میں علما کی ہچکچاہٹ کو ظاہر کرتی ہے بلکہ اس حقیقت کو بھی واضح کرتی ہے کہ مذہب اجتہاد کے مسئلے پر زیادہ زور دیتا ہے۔[۱۴۸]

ڈاکٹر ایشوری پرشاد محضر نامے کے بعد بعض علما کے جو خیالات تھے ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس دستاویز نے روایت پسندی کے دائروں میں ایک طرح کی دھمکی کا مظاہرہ کیا تھا، کیوں کہ شہنشاہ کو تمام مذہبی تنازعات میں امپائر بننا تھا، اور اگر اس کی تعبیر قرآن سے متصادم نہ ہوتی اور اگر یہ قوم کے مفادات کے لیے نقصان دہ نہ ہوتی تو اس کی باہمی پابندی سب پر لازم تھی، لیکن آر تھوڈوکس نے اس کو دیکھنے سے انکار کر دیا اور اس پر ہر

۱۴۶۔ نظام الدین، **طبقات اکبری**، ۲:۳۶۲۔ نیز ڈاکٹر خالد مسعود، "مغل سلطنت کا سرکاری مذہب"، ترجمہ، ڈاکٹر سعید الرحمٰن، **جرنل آف ریسرچ**، ملتان، ۹:۲(۲۰۰۶)، ۱۰۳۔ بدایونی کے مطابق اہلکاروں کو ان کی مرضی کے بر خلاف دستاویز پر دستخط کرنے پر مجبور کیا گیا۔ اس نے لکھا ہے کہ علما نے شاہی دربار میں سر عام دستاویز پر اعتراض کیا، نیز اجتہاد کی تعریف اور مجتہد کی اہلیت جیسے سوالات دربار میں اٹھائے گئے اور تفصیلاً زیر بحث آئے۔ (بدایونی، **منتخب التواریخ**، ۲:۴۷۸۔)

۱۴۷۔ بدایونی، نفس مصدر، ۲: ۴۷۸۔

۱۴۸۔ نفس مصدر۔

طرح کے الزامات عائد کر دیے:

> This document acted like a bombshell in orthodox circles. It declared the emperor the spiritual as well as the temporal head of his subjects. Hence-forward he was to be the umpire in all religious disputes, and his interpretation was binding on all, if it was not is conflict with the Qurān and if it was not detrimental to the interests of the nation. It was this qualifying clause which really limited to the emperor's authority. But the orthodox refused to notice it and levelled all kind of charges against him.[149]

(یہ دستاویز روایت پسند حلقوں کے لیے دھماکہ خیز تھی۔ اس دستاویز نے شہنشاہ کو اپنی رعایا کا نہ صرف دنیاوی حاکم کہا بلکہ اسے ان کا روحانی سربراہ بھی قرار دیا۔ اس کے بعد سے وہ ان کے تمام مذہبی تنازعات کا ثالث تھا اور اس کا حکم ماننا ہر ایک پر لازم تھا، جب تک کہ وہ قرآن کے مخالف اور قومی مفاد سے متصادم نہ ہو۔ در حقیقت یہ وہ شق ہے جو شہنشاہ کے اختیار کو محدود کرتی تھی لیکن روایت پسندوں نے اس پر توجہ نہ دی اور اس پر قسم قسم کے الزمات عائد کیے۔)

محضر میں اس بات کی وضاحت کر دی گئی تھی کہ امام عادل کو مجتہدین اور علما سے انھی اختلافی امور میں زیادہ اختیارات حاصل ہوں گے جو نص شرعی کے مخالف نہ ہوں اور عوام کے لیے خوش حالی کا باعث ہوں لیکن عملاً ان شرائط کی پابندی نہ ہوئی۔ مولانا ابو الکلام آزاد اس محضر کا خلاصہ دے کر **تذکرہ** میں لکھتے ہیں:۔ اصلاً تو یہ بات ٹھیک تھی، خلیفہ وقت و ارباب حل و عقد و اصحاب شوریٰ کو ہر عہد میں اجتہاد کا حق حاصل ہے۔ اس کے خاتمے نے تاریخ اسلام کے تمام مصائب کی بنیاد ڈالی۔[۱۵۰] شیخ نور الحق محدث لکھتے ہیں کہ عبادت خانے کے مباحث سے اکبر کا مقصد صرف حق کی دریافت اور ثواب کا حصول تھا۔ لیکن اہل ہوا و نفس نے یوں بحث و مباحثہ کیا کہ عوام کے درمیان غلط فہمی پھیل گئی اور وہ حقیقت جانے بغیر بادشاہ سے بد ظن ہو گئے۔[۱۵۱] ۱۵۷۹ء میں جب محضر پیش کیا گیا تو اس کے بعد بدایونی نے کہنا شروع کر دیا کہ قیامت آ گئی اور اکبر اسلام سے باغی ہو گیا۔ تو اس کی پانچ وقت نماز کی ادائی، اس کے سات سال بعد بزرگان دہلی کی زیارت اور عید کی بجا آوری ایسی چیزیں نہ تھیں کہ ایک غیر جانب دار مؤرخ انھیں نظر انداز کر دیتا لیکن کسی اور مؤرخ نے اس کا ذکر نہیں کیا۔[۱۵۲]

149– Prasād, *A Short History of Muslim Rule in India*, 414.

۱۵۰– اکرام، مرجع سابق، ۱۰۴۔

۱۵۱– مرجع سابق، ۱۰۴۔

۱۵۲– مرجع سابق، ۱۱۵۔

۵- شاہی مرید

علمائے محضر نے اختلافی مسائل میں فیصلہ کرنے کا اختیار اکبر کو سونپ دیا تھا۔ جب غیر مسلم ہندو، پارسی اور جینی، سادھو اور ان کے اہل علم مذہبی مجالس میں شریک ہوتے تو کچھ افراد نے اکبر کو جگت گرو کہنا شروع کر دیا اور اپنی مذہبی کتب میں سے نشان دہی کی کہ اکبر اقوام و مذاہب کے اختلافات مٹائے گا۔ اکبر کے درباریوں نے بھی اس بات کو پسند کیا۔ اکبر بھی اس بات پر خوش تھا کہ دنیوی حکومت کے ساتھ ساتھ روحانی رہ نمائی بھی کرے گا۔ چناں چہ اس نے لوگوں کو مرید کرنا اور ان کے لیے احکام بتانا شروع کر دیے۔ اب اس مریدی کے سلسلے کو دیکھتے ہوئے کچھ لوگوں نے مشہور کر دیا کہ اکبر نبوت کا دعوے دار ہے۔ ملا شیری[۱۵۳] نے لکھا

شاہ ما امسال دعویٰ نبوت کردہ است
گر خدا خواہد ، پس از سالے خدا خواہد شدن [۱۵۴]

یہی شیری بعد ازاں اکبر کے مرید ہوئے اور **مثنوی ہزار شعاع** بہ طریق نذر پیش کی؛ کیوں کہ انھوں نے دیکھا ہو گا کہ اکبر نبوت کا دعوے دار نہیں بلکہ صرف عقیدت اور مریدی کا ہی یہ سلسلہ ہے۔ بدایونی جو آخر میں اکبر کے مذہبی خیالات کا مخالف ہو گیا تھا اس نے بھی **منتخب التواریخ** میں اکبر سے لفظ دعوے نبوت منسوب نہیں کیا بلکہ اکبر کے احکامات کا ذکر کر کے لکھتا ہے: "ایں ہمہ باعث نبوت شد امابہ لفظ نبوت"[۱۵۵] یعنی اس نے نبوت کا دعویٰ صراحتاً نہیں بلکہ مجملاً معناً کیا تھا۔ اکبر نے خود دعویٰ نبوت سے ہمیشہ انکار کیا لیکن مریدان شاہی کے سلسلہ اور اس میں موجود قواعد سے کئی غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں تھیں، تاریخ صرف اکبر ہی نہیں بلکہ اس کے مشیروں جیسے ابوالفضل، فیضی وغیرہ کو بھی اس کا ذمے دار ٹھہراتی ہے۔ اکبر اور اس کے درباریوں نے جو نظام بنایا تھا انگریز مؤرخین اسے دین الٰہی کے نام سے پکارتے ہیں، لیکن ابوالفضل جو بہ قول بدایونی جو اس طریقے کا موجد تھا، یہ نام استعمال نہیں کرتا، وہ آئین اکبری میں اکبر کے روحانی کاموں کو "آئین راہنمونی" کا نام دیتا ہے۔ ابوالفضل مختلف مذاہب کے بنیادی اتحاد کا ذکر کر کے لکھتا ہے کہ جب بنی نوع انسان کی خوش قسمتی سے ایسا وقت آجاتا ہے کہ حق

۱۵۳- ملا شیری (م ۱۵۸۶ء) اگرچہ ناخواندہ آدمی تھا لیکن شاعری سے لگاؤ رکھتا تھا۔ نیر اعظم (سورج) کی تعریف میں ایک ہزار اشعار لکھے اور اس کا نام "شمع جہاں افروز" رکھا۔ (نظام الدین، **طبقات اکبری**، ۲: ۵۳۴۔)

۱۵۴- (ترجمہ) ہمارے بادشاہ نے اس سال نبوت کا دعویٰ کیا ہے اگر اللہ نے چاہا تو اگلے سال خدا بننے کی خواہش ہو گی۔

۱۵۵- بدایونی، مصدر سابق، ۲: ۴۸۸۔

پرستی کا دور دورہ ہو تو اس وقت موجود بادشاہ کو ہی "پیشوائی جہان معنی" دے دی جاتی ہے جو جلوہ زار کثرت میں وحدت کا سر رشتہ ڈھونڈ لیتا ہے۔ اکبر کو یہ "پرتو آگہی" میسر تھا اگرچہ اس نے خود کو اس کام سے الگ رکھا ہوا تھا۔ اب "آئین راہ نمونی" کو خدا کی رضا سمجھ کر ہدایت کا دروازہ کھول رکھا ہے۔ کئی ارباب تجرد جیسا کہ سنیاسی، جوگی، صوفی اور حکیم، اور ارباب تعلق مثلاً سپاہی، تاجر اس کی بہ دولت حقیقت سے ہم کنار ہیں اور اس کی نگاہ سے وہ فیوض حاصل کرتے ہیں جو چلہ کشی سے بھی نہ مل پائیں۔ اکبر لوگوں کو مرید ہونے سے روکتا ہے اور انھیں بتاتا ہے کہ مجھے یہ حق حاصل نہیں کہ خود کہیں پہنچے بغیر دوسروں کی رہ نمائی کروں۔ لیکن لوگ یہ بات اس کی تسلیم نہیں کرتے اور ہزاروں کی تعداد میں اس کی مریدی میں داخل ہو گئے ہیں۔ جب کوئی بہت ضد کرتا ہے تو بادشاہ اس کی پیشانی پر اخلاص و راستی کا نشان دیکھتا ہے اور اس کی بیعت قبول کر لیتا ہے۔ اتوار کو جب سورج نصف النہار پر ہو اس وقت بیعت لی جاتی ہے۔ مرید اپنی دستار ہاتھ میں لے کر بادشاہ کے پیروں میں سر رکھ دیتا ہے گویا یہ کہہ رہا ہو کہ میں نے خود آرائی کو ترک کر دیا اور عاجزی اختیار کر لی۔ بادشاہ اپنے ہاتھوں سے اسے اٹھاتا ہے، اس کی دستار اس کے سر پر رکھتا ہے اور ایک انگشتری خاص جس پر اسم اعظم "اللہ اکبر" لکھا ہوتا ہے اسے دے دیتا ہے۔[۱۵۶] اکبر نے اپنے مریدوں کے لیے جو اصول وضع کیے وہ درج ذیل ہیں۔

"بادشاہ کے دیدار کے وقت ارادت مندوں کا عام دستور ہے کہ ایک شخص اللہ اکبر کہتا ہے اور دوسرا اس کے جواب میں جل جلالہ زبان پر لاتا ہے۔ بادشاہ کی اس قاعدے کی پابندی سے مقصد یہ ہے کہ بنی نوع انسان سرچشمۂ ہستی کو فراموش نہ کریں۔ اور ہر وقت ذکر الٰہی سے سیر اب دل و تر زبان و شیریں کام رہیں۔ نیز یہ کہ بادشاہ حق آگاہ کا حکم ہے کہ جو خیرات عام طور پر مرنے کے بعد کی جاتی ہے وہ یہ ارادت مند اپنی زندگی میں بجالائیں اور اس طرح سفر آخرت کا سامان، سفر کرنے سے پیشتر ہی کر لیں۔ مرید ہر سال اپنی پیدائش کے روز ایک دعوت کریں اور دستر خوان پر انواع و اقسام کی نعمتیں چنیں تاکہ اس طرح جود و سخا کا چلن ہو اور دور دراز سفر کے لیے زاد راہ میسر ہو جائے۔ ارادت مند افراد آئین مقدس کے مطابق گوشت خوری سے پرہیز کریں، بلکہ اکثر مریدان دعوت میں بھی دوسروں کو تو گوشت کھلاتے لیکن خود نہیں چکھتے۔ یہ مخلص و پختہ ارادت مند دعوت میں تو گوشت کو ہاتھ سے چھوتے اور آنکھ سے بھی دیکھ لیتے لیکن اپنی پیدائش کے مہینے میں گوشت کے گرد بھی نہیں پھٹکتے۔ یہ افراد نہ اپنے ذبیحے کے قریب جاتے ہیں اور نہ اس کے کھانے کی رغبت کرتے ہیں۔"[۱۵۷] مریدوں کی بیعت کے طریقے

۱۵۶۔ ابوالفضل، **آئین اکبری**، ۱:۳۰۹۔

۱۵۷۔ نفس مصدر، ۱:۳۱۰۔

کو ابوالفضل نے وضاحت سے لکھا ہے۔ اس میں کسی تحریری بیعت نامے کا ذکر نہیں ہے لیکن سارا سلسلہ چوں کہ بادشاہ سے اظہار عقیدت کا تھا، آگے چل کر کچھ لوگوں نے اس میں نئے طریقے بنا لیے۔

اسی طرح میر اں صدر جہاں[۱۵۸] ۱۵۹۴ء میں اپنے دو بیٹوں کے ساتھ اکبر کا مرید ہوا لیکن پانچ سال بعد اکبر کی زندگی میں ہی حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے اسے ذکر سکھانے کے بعد حضرت مجدد کے پاس "توجہ" کے لیے بھیجا۔ گویا مریدی اب عقیدت و وفاداری کے اظہار کا ذریعہ رہ گئی تھی اس سے نیا دین مراد لینا درست نہیں۔[۱۵۹] اکبر نے اخلاص کے چار درجے قرار دے دیے تھے۔ ترک مال، ترک جان، ترک ناموس، ترک دین۔ جو فرد بھی ان چاروں مدارج کو طے کر لیتا اس کا چہار گانہ اعزاز ہوتا اور جو کسی ایک درجے تک پہنچتا اس کا اعزاز اسی مناسبت سے متعین ہوتا، ویسے سب کے سب بادشاہ کے مرید سمجھے جاتے۔[۱۶۰] اکبر نے اپنے مریدین کو کئی احکامات دیے جیسا کہ کچھ پیر یا مرشد اپنے مریدین کے ذمے کچھ خاص کام لگا دیتے ہیں یا طریق بیعت کے لیے کچھ شرائط لگاتے ہیں تو کوئی انھیں اسلام سے خارج قرار نہیں دیتا، اکبر کے مریدین کا حلقہ مختصر تھا۔[۱۶۱]

اکبر کے مذہبی قوانین میں وہی باتیں قابل اعتماد ہیں جنھیں ابوالفضل نے **آئین اکبری** میں تحریر کیا۔ اس کے دو پہلو ہیں: ایک تو یہ کہ ان باتوں کو کیسے اہم سمجھا جا سکتا ہے جن کے ماننے والا خود اسے تسلیم نہ کرے۔ ان قوانین و احکام کی کیا حیثیت ہے جن کا اعلان نہ کیا جائے اور انھیں نافذ نہ کیا جا سکے۔ آئین اکبری کا اگر بہ غور مطالعہ کیا جائے تو اس میں سب باتیں واضح لکھی نظر آتی ہیں کہ اس میں کسی پس و پیش کے بغیر اکبر سے متعلق مذہبی امور درج ہیں جن چیزوں کو اکبر جاری کرنا چاہتا تھا۔

خلاصۂ بحث

برصغیر میں تکثیری سماج کے قیام کے حوالے سے سولھویں صدی کی تاریخ اہمیت کی حامل ہے۔

۱۵۸۔ میر اں صدر جہاں (م ۱۶۱۳ء) ولایت قنوج سے تھا۔ مرد فاضل و خوش طبع تھا، طبع موزوں تھی۔ ابتداءً حال میں اشعار کہتا تھا لیکن جب خدمت افتاملی تو شعر کہنا چھوڑ دیے۔ شیخ عبدالنبی سے چہل حدیث کا سبق لیتا تھا۔ شہزادہ سلیم اسے دوست رکھتا تھا۔ اس کا بڑا بیٹا میر بدر عالم گوشہ نشین تھا، دوسرا بیٹا سید نظام مرتضیٰ خان امارت کے درجے تک پہنچا۔ (نظام الدین، **طبقات اکبری**، ۲: ۴۱۹۔)

۱۵۹۔ محمد اکرام، **رود کوثر**، ۱۳۱۔

۱۶۰۔ بدایونی، مصدر سابق، ۲: ۴۹۰۔

۱۶۱۔ ابوالفضل، مصدر سابق، ۱: ۳۰۵۔

جلال الدین اکبر کے زمانے میں سلطنت مغلیہ مغرب سے افغانستان، مشرق سے بنگال اور شمال سے کشمیر تک پھیلی ہوئی تھی۔ اتنی بڑی سلطنت کے اندر موجود لاکھوں اقلیتوں کے لیے اس نے ایک کثیر الثقافتی سماج کی بنیاد ڈالی، تکثیریت کو فروغ دیا۔ اکبر پڑھنا لکھنا نہیں جانتا تھا مگر عملی زندگی میں وہ ایک متجسس مفکر تھا، جسے ہمیشہ علم کی تلاش رہتی تھی۔ وہ ہر مذہب اور عقیدے کا گہرا علم رکھتا تھا، اور ہمیشہ مزید جاننے کی کوشش میں رہتا تھا۔ اس معاملے میں اس کا دربار نادر روزگار تھا، اس میں ہندو، مسیحی، جین مسلمان اور سکھ مذہب کے فلاسفر اور مذہبی سکالرز جمع رہتے تھے۔ دربار میں اکثر مذاہب پر مکالمہ جاری رہتا تھا، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اکبر کی دیگر مذاہب میں دل چسپی بڑھتی گئی۔ دور اکبری میں عبادت خانوں میں اسلامی فرقوں کے علاوہ مسیحی، پارسی، ہندو غرض ہر مذہب کے علما کو شرکت کی دعوت دی گئی اور ہر ایک کے عقائد و شعائر سیکھنے کی کوشش کی گئی۔ اکبر کی ریاستی پالیسی کے دو پہلو تھے، ایک انتظامی اور سیاسی معاملات میں "صلح کل" کی پالیسی اور دوسرے شاہی درباریوں کے لیے قواعد و آئین کا وہ مجموعہ جسے بدایونی اور ابوالفضل دونوں "آئین راہنمونی" یا "ارادت" یا "مریدی" کا نام دیتے ہیں۔ بعض دفعہ ان ناموں کو خط ملط کر دیا جاتا ہے لیکن در حقیقت یہ دونوں مختلف حیثیت کے حامل ہیں اور ان کی ابتدا میں کئی سالوں کا فرق تھا۔ جس کے ذریعے اختلافات کو مٹا کر باہمی دوستی و ملاپ کی کوشش کی گئی۔ اکبر نے "صلح کل" کی پالیسی بالکل شروع میں اختیار کر لی تھی جو در حقیقت ایک سیاسی اور انتظامی طریق کار تھا۔ یہ وہ تصور ہے جو فی زمانہ تکثیریت (Pluralism) کے عنوان سے زیر بحث آتا ہے۔ مذہبی ہم آہنگی کے باب میں اکبر صوفیانہ خیالات سے متاثر تھا، اس نے صوفیہ سے قریبی تعلق رکھے اور کثیر المذاہب مغلیہ سلطنت کو کامیابی سے مذہبی مساوات و رواداری کی راہ پر ڈالا۔

اکبر نے غیر مسلموں کو مغلیہ سلطنت میں پوری طرح سمونے کے لیے بڑی کوشش کی، راجپوتوں کی فتح اس کی بڑی مثال تھی۔ ان کا علاقہ فتح کرنے کے بعد اس نے اس وقت کے ہندوؤں کو زبردستی مسلمان بنانے کی کوشش نہیں کی بلکہ ان کے مذہب کو اپنے سماج میں برابر جگہ دی۔ ان کو سر عام عبادت کی اجازت دی۔ ان کو اپنے مندروں کی مرمت کرنے اور نئے مندر تعمیر کرنے کی آزادی دی۔ جزیے کی موقوفی اکبر کی آزاد روی اور تمام شہریوں کے لیے قانونی مساوات کی حکمت عملی سے ہم آہنگ تھی۔ جزیے کی موقوفی کے نتیجے میں مساوی شہریت کے تصور نے جنم لیا جو تکثیریت کو قبول کرنے کا لازمی تقاضا ہے۔ اکبر نے اگست ۱۵۷۹ء میں ایک فرمان (محضر) جاری کیا جسے کچھ جدید مؤرخین نے اکبر کے حتمی فرمان کا نام دیا ہے۔ محضر کے مقاصد بادشاہ کے امام عادل کے طور پر فقہا پر مطلق بالادستی اور اختیار کو قائم کرنا تھا۔ ان پر لازم تھا کہ وہ بادشاہ کے احکام کی اطاعت کریں۔ چناں چہ

چیف قاضی، چیف مفتی اور بادشاہ کے دربار کے دیگر بڑوں نے دستاویز پر دست خط کر دیے۔ اکبر کو یہ شوق تھا کہ دنیا میں پائے جانے والے مختلف مذاہب کی تحقیق کرے اور ان کے اعتقادات و طریقۂ مذاہب سے آگاہ ہو۔ لہٰذا اس نے دیگر مذاہب مسیحیت، جین مت، ہندو مت اور سکھ مت کے لوگوں سے ان کے مذاہب کے بارے میں واقفیت حاصل کی۔ اکبر نے تمام غیر مسلموں کو مکمل مذہبی آزادی دی۔ اکبر نے غیر مسلموں کو حکومتی ایوانوں میں جگہ دی۔ اب اقتدار صرف ایک طبقے تک محدود نہیں تھا بلکہ اس میں ہندوستان کے لوگ بھی مذہبی بنیاد کی تقسیم کے بغیر شریک تھے۔ اس سے ہندوستان کے لوگوں میں یہ احساس پیدا ہوا کہ مغل حکومت مسلمانوں اور ہندوؤں کی مشترکہ حکومت ہے۔ اس ہم آہنگی کے نتیجے میں دربار میں ہندو مسلم ثقافت میں یک جہتی پیدا ہوئی۔ ایک دوسرے کے تہوار اہتمام سے منائے جاتے، ان اقدامات سے پورے معاشرے میں رواداری کی فضا قائم ہوئی۔

اکبر اپنی فکر، سوچ اور عمل کے اعتبار سے جدید دور کے پاکستان اور ہندوستان کے کئی حکم رانوں سے زیادہ روشن خیال تھا۔ وہ روادار اور مذہبی و سماجی تکثیریت پسند تھا۔ گو اکبر ایک روایتی بادشاہ تھا، اس کے طرز حکم رانی پر کئی سولات اٹھائے جاسکتے ہیں، کئی خامیاں تلاش کی جاسکتی ہیں، سماجی اور معاشی انصاف کے بارے میں اس کی ناکامیوں اور خامیوں پر تنقید کی جاسکتی ہے۔ لیکن مذہبی رواداری، کثیر االثقافتی سوچ اور سب کو ساتھ شامل کر کے چلنے کی کوشش میں وہ نہ صرف سرفہرست ہے، بلکہ آج کے پاکستان اور بھارت کے حکم رانوں کے لیے تاریخ کا ایک سنہری کردار ہے۔ ہم رہ نمائی کے لیے اپنی تاریخ کے جن حکم رانوں کی طرف مڑ کر دیکھ سکتے ہیں، ان سب میں اکبر بہت نمایاں اور منفرد ہے۔

سفارشات

۱۔ آج جب کہ دنیا کے مختلف خطوں کے درمیان مواصلات کے تیز رفتار نظام نے قربت کو بڑھا دیا ہے، اور انسانی معاشرہ ایک عالمی بستی (Global Village) کا تصور پا رہا ہے، تو اس بستی کا امن و امان مذہبی، لسانی و نسلی تکثیریت کے تسلیم کرنے اور اس کے تقاضوں کی تکمیل سے جڑا ہوا ہے اس لیے جدید مسلم ریاست کو تکثیری سماج کے تمام گروہوں کی رعایت رکھتے ہوئے اپنا نظام وضع کرنا ناگزیر ہے۔

۲۔ اہل مذاہب کے مابین مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانے والی سرگرمیوں کی روک تھام جدید اسلامی ریاست کی ذمے داری ہے تاکہ مذہبی منافرت کی روک تھام کو یقینی بنایا جاسکے۔ مسلم ریاستوں میں دین اسلام کے عقائد کو قبول نہ کرنے والے افراد کو نہ صرف جانی و مالی تحفظ فراہم کیا گیا بلکہ ان کو اپنے مذہبی عقائد

کے مطابق نجی زندگی کا بھرپور تحفظ فراہم کیا گیا اور ان کی عبادت گاہوں (گرجا گھروں، سینی گاگوں، مندروں وغیرہ) کے مسمار کرنے کو جرم قرار دیا گیا۔ لہٰذا جدید اسلامی ریاست کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے تمام شہریوں کی جان کا تحفظ کرے خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم ہوں اور انھیں ظلم و زیادتی سے محفوظ رکھے۔

۳۔ امت مسلمہ کی عمومی اور ریاست کی خصوصی طور پر ذمے داری ہے کہ وہ انسانیت کی بھلائی اور خیر خواہی کے جذبے سے غیر مسلموں کو دین اسلام کو سمجھنے کے مواقع فراہم کرے لیکن ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ (القرآن، ۲۵۶:۲) کے ایک اصولی ضابطے کے تحت اس دعوتی عمل میں کسی قسم کا دباؤ یا زبردستی نہیں ہونی چاہیے۔

۴۔ نصاب میں مغلیہ دور بالخصوص جلال الدین اکبر کے کثیر المذہبی معاشرے میں کیے گئے اقدامات کو اجاگر کیا جائے۔

۵۔ کسی بھی جدید ریاست میں ملکی دستور کو اساسی حیثیت حاصل ہوتی ہے اس کے تحت فرائض، حقوق و اختیارات کے دائرۂ کار کا تعین کیا جاسکتا ہے اور یہ دستور ملک کی اکثریت کے نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتا ہے لہٰذا اس میں طے کردہ معیارات کے مطابق جدید اسلامی ریاست میں غیر مسلموں سمیت تمام اہل شہریوں کے لیے اپنی خدمات سرکاری و نجی سطح پر ادا کرنے کے مواقع فراہم کیے جائیں۔

۶۔ اسلام نے مجموعی طور پر قوموں، معاشروں اور مذہبی گروہوں کے مابین ناتوں کی بنیاد باہمی تنازعات و اختلافات پر نہیں رکھی اور نہ ہی عارضی حالات و واقعات اور کسی خاص گروہ کی سیاسی و معاشی برتری پر رکھی ہے بلکہ کوئی فرد چاہے کسی نسل، قوم یا مذہب کا ہو اسلام نے اسے وحدت کی لڑی میں پروتے ہوئے اس کے حقوق و فرائض بحیثیت انسان متعین کیے ہیں لہٰذا عوام میں اس سوچ کی آگاہی کے لیے سیمینار منعقد کروائے جائیں۔

۷۔ جدید اسلامی ریاست میں تمام مذاہب کے ماننے والوں اور رعایا کو عقیدے، مذہب، جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کی ضمانت حاصل ہوگی۔ وہ انسانی بنیاد پر شہری آزادی اور بنیادی حقوق میں مسلمانوں کے برابر شریک ہوں گے۔ قانون کی نظر میں سب کے ساتھ یکساں معاملہ کیا جائے گا، بحیثیت انسان کسی کے ساتھ کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جائے گا۔ اسلامی ریاست کے دستور کے تحت تمام غیر مسلم شہریوں کے واجبات اور ذمے داریاں عائد ہوں گی، جو مسلمانوں پر عائد ہیں، انھیں وہی حقوق حاصل ہوں گے

جو مسلمانوں کو حاصل ہیں اور ان تمام مراعات و سہولیات کے مستحق ہوں گے، جن کے مسلمان ہیں۔

۸۔ تکثیری سماج کے تمام طبقات کو عدالتی و قانونی تحفظ اور خود مختاری مہیا کرنا جدید اسلامی ریاست کی ذمے داری ہے۔

۹۔ پر امن معاشرت کے لیے دیگر مذہبی گروہوں کے لیے مذہبی آزادی کا ہونا لازم ہے۔